ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد

(پچاس سال)

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

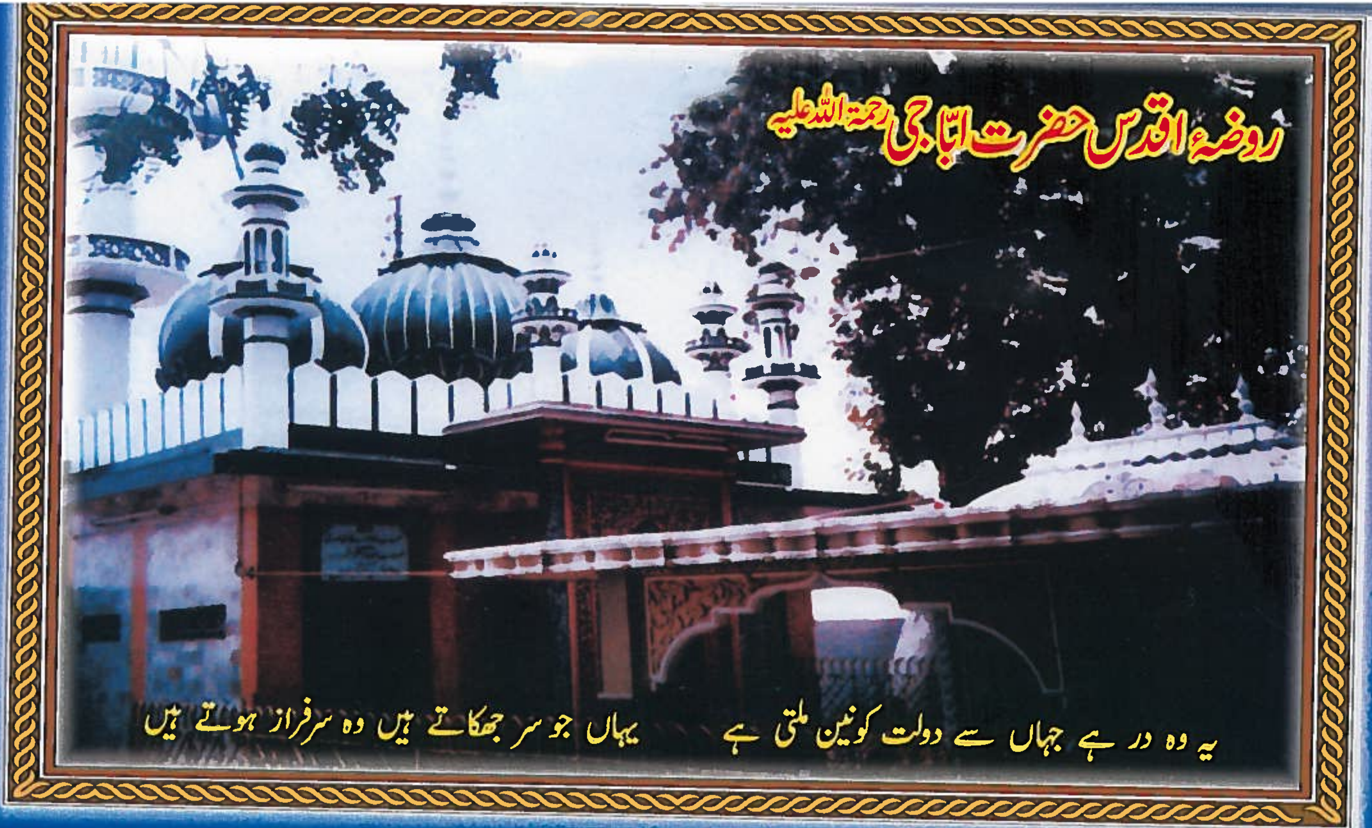
روضۂ اقدس حضرت ابّاجی رحمۃ اللہ علیہ
یہ وہ در ہے جہاں سے دولت کونین ملتی ہے
یہاں جو سر جھکاتے ہیں وہ سرفراز ہوتے ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابّا جیؒ کے بعد

(پچاس سال)

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

فراہمی

محمد اویس صدیقی قادری، محمد بلال صدیقی قادری، محمد زید صدیقی قادری
محمد شکیب صدیقی قادری، محمد قاسم صدیقی قادری
سی۔۱۱/ ۸۔گلبرگ ٹاؤن، ایف۔بی۔ایریا، کراچی
فون نمبرز:36365255,36367440

جملہ حقوق بحق غلاماں محفوظ

نام کتاب .... اباجیؒ کے بعد

اشاعت اوّل ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

کمپوزنگ .... سید شعیب افتخار مسعودی

پروف ریڈنگ .... ڈاکٹر مجیب عالم، ڈاکٹر فیروز احمد

طباعت ....

قیمت .... دعائے خیر

محل اشاعت

اباجیؒ کے سالانہ عرس کے موقع پر بمقام کراچی

بتاریخ ۲۳/ذی العقد ۱۴۳۴ھ

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مشتملات

۱۔ انتساب ________ ۵

۲۔ حضورربیؐ ________ ۶

۳۔ سرکاردوعالم ﷺ کے حضور ________ ۷

۴۔ حضورغوث اعظمؒ ________ ۸

۵۔ اباجیؒ کا کرم ________ ۹

۶۔ میراعقیدہ ________ ۱۰

۷۔ دعائے سحرگاہی ________ ۱۱

۸۔ بحمداللہ ________ ۱۳

۹۔ سوچتاہوں ________ ۱۵

۱۰۔ سلسلہ کی ابتدا ________ ۲۲

۱۱۔ سیدہ ماں جیؒ ________ ۳۳

۱۲۔ سیّدناچودھری عبدالقادرؒ ________ ۳۷

☆ اباجی کی نیابت ________ ۳۷ ☆ پیرانہ طریقے ________ ۳۹

☆ دست بوسی ________ ۴۰ ☆ نذرانے ________ ۴۰

☆ کسب حلال ________ ۴۱ ☆ برادری ________ ۴۱

☆ میں کچھ بھی نہیں ________ ۴۲ ☆ براہ راست نسب ________ ۴۵

۱۳۔ چودھری احسان قادرؒ (ثانی بھائی) ________ ۴۷

۱۴۔ چودھری غلام ربانی مدظلہ العالی ________ ۴۹

۱۵۔ سیّدشبیرعلی قادریؒ ________ ۵۲

۱۶۔ پروفیسرسیّدباسط علی جعفریؒ ________ ۵۹

۱۷۔ اعلیٰ حضرت سیّدنظام الدین قادریؒ ________ ۶۴

۱۸۔ پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ ۶۹
۱۹۔ جناب محمد علی صاحبؒ ۷۴
۲۰۔ جناب احمد شفیعؒ ۷۶
۲۱۔ سیّد اقبال حسین قادریؒ ۷۹
۲۲۔ برنی باباؒ ۸۱
۲۳۔ سلسلہ کے بنیادی تصورات ۸۵
۱۔ خانقاہیت سے گریز ۸۵ ۲۔ مریدی نہیں غلامی ۸۷
۳۔ شجرہ نہیں نسبت اویسی ۸۹ ۴۔ مرکز سے وابستگی ۹۲
۵۔ اپنی نفی ۹۵ ۶۔ دین کے ساتھ فیض دنیا ۹۸
۷۔ سلسلہ یا برادری ۱۰۰ ۸۔ خصوصی اوراد و معمولات
۲۴۔ سخن گسترانہ بات ۱۰۶
۱۔ دست بوسی ۱۰۶ ۲۔ گدّی نشینی ۱۰۷
۳۔ ہدیات اور نذرانے ۱۰۹ ۴۔ درمیانی وسیلے ۱۱۰
۵۔ مرکز سے وابستگی ۱۱۱ ۶۔ اپنی ذات کی نفی ۱۱۲
۷۔ برادری کا تصور ۱۱۲ ۸۔ دنیا طلبی ۱۱۳
۹۔ مفت خوری ۱۱۵ ۱۰۔ پابندیٔ اوراد و معمولات ۱۱۶
۲۵۔ سلسلہ کے مختلف حلقے ۱۱۷
۱۔ قادری منزل ۱۱۷
۲۔ اعلیٰ حضرتؒ کا حلقہ ۱۱۸
۳۔ قادری صاحبؒ کا حلقہ ۱۲۰
۴۔ سیّد اقبال علی قادریؒ کا حلقہ ۱۲۱
۵۔ سیّد محمد حسین بخاریؒ اور سیّد امین بخاریؒ کا حلقہ ۱۲۲
۶۔ مرتضیٰ شفیعؒ اور ڈاکٹر شمسی کا حلقہ ۱۲۲
۷۔ حضرت محمد علیؒ کا حلقہ ۱۲۴
۸۔ باسط صاحبؒ کے تربیت یافتگان ۱۲۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

اُن غلام بھائیوں کے نام جو درج ذیلؒ کے معترف اور پابند ہیں

- نسبتِ اویسی
- مریدی نہیں غلامی
- ابا جیؒ کی برادری
- خانقاہیت سے گریز
- مرکز سے راست تعلق
- صرف ایک وسیلہ
- نفیٔ ذات اور اکلِ حلال
- اوراد و معمولات کی پابندی
- سلسلہ کے تمام حلقوں کا احترام
- عرس شریف کا اہتمام
- ابا جیؒ کے مزار شریف اور قادری منزل کی اہمیت

نوٹ

گیارہویں شریف کا ختم بالعموم چاند کی گیارہ تاریخ کو پڑھا جاتا ہے۔ ابا جیؒ نے اپنے تصرفِ خاص سے مرکزی ختم شریف کے لیئے گیارہ کے بجائے دس تاریخ مقرر فرمائی کہ لوگ اپنے گھر میں گیارہویں کا ختم گیارہ تاریخ کو پڑھتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حُضُورِ رَبّی

مرے الفاظ میں احساس میں فکر و تخیل میں
غم و الام اور لطف و مسرت کے تبادل میں
مرے ذوقِ وفا، حُسنِ طلب، رنگِ توکّل میں
وہ جس کو زندگی کہتے ہیں اس پورے تسلسل میں
اگر تو ہے تو سب کچھ ہے وگرنا سب خسارہ ہے
فقط تیری تمنا ہے فقط تیرا سہارا ہے

فائقؔ بدایونی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سرکارِ دو عالم ﷺ کے حضور

جگر میں سوزِ محبت کے داغ روشن ہیں
دل و نگاہ و شعور و دماغ روشن ہیں
چراغ جو بھی جلائے ہیں کملی والے نے
انہی چراغوں سے سارے چراغ روشن ہیں

فائقؔ بدایونی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضورِ غوثِ اعظمؒ

محبوبِ رب، محبِ نبیؐ جانِ اولیا
پیرانِ پیر حضرت سلطانِ اولیا
میری طلب کو اپنی فقیری کا رنگ دے
اے شہ نشینِ مسندِ ایوانِ اولیا

فائقؔ بدایونی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابّا جیؒ کا کرم

جسے محبوبیت[۱] دی اس کو شانِ دلبری دیدی
ابد تک جو ہے قائم آل[۲] کو وہ زندگی دیدی
فقیری[۳] دی کسی کو اور کسی کو دوستی[۴] دیدی
کسی کو سوزِ جاں دے کر ادائے عاشقی[۵] دیدی

عطا سب پر مسلسل ہے کرم سب پر برابر ہے
مرے سرکار غوثِ پاکؒ کے محبوبؒ کا در ہے

فائقؔ بدایونی

---

۱ اشارہ اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کی طرف
۲ اشارہ آپ کی اولاد وقادر بھائی جانؒ کی طرف
۳ اشارہ جناب محمد علی صاحبؒ کی طرف
۴ اشارہ سیّد باسط علی جعفریؒ کی طرف
۵ اشارہ سیّد شبیر علی قادری صاحبؒ کی طرف

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

میرا عقیدہ

نعرہ ہے زباں پر مری اللّٰہُ غنی کا
فیضان یہ ہے سیّدِ مکّی مدنیؐ کا
بچپن سے مرے حال پہ مولاؑ کی نظر ہے
پروردہ ہوں لطف و کرمِ پنجتنیؓ کا
ہوں معتقد و مدح سرا روزِ ازل سے
بوبکرؓ و عمرؓ حیدرؓ و عثمان غنیؓ کا
یہ بات ہے برحق کہ ہمیشہ سے رہا ہے
پَرتو مری نسبت پہ اویسِ قرنیؓ کا
ہے ہادیءِ بغدادؒ مرا رہبرِ کامل
خدشہ ہی نہیں کوئی مجھے راہزنی کا
ابّا جیؒ مرے، مرشدِ کامل مرے آقاؒ
یہ درس ''ہمیں'' دے گئے شیریں سخنی کا
میں کچھ بھی نہیں ماہیؒ مرا صَلِّ علیٰ ہے
یہ نعرۂ مستانہ اُسی در سے چلا ہے

فائقؔ بدایونی

دعائے سحرگاہی

مرے مالک یہ بھی احسان کر دے
مراحل زیست کے آسان کر دے

مرے اعمال سے تو در گزر کر
مری تقویئتِ ایمان کر دے

شعارِ بندگی و عبدیئت کو
محیطِ قلب و جسم جان کر دے

ملے توفیقِ مدحِ شاہِ والا
مری بخشش کا یہ سامان کر دے

حیات و موت و قبر و حشر و آخر
بحقِ مصطفیٰ ﷺ آسان کر دے

صلوٰة اللہ علیٰ خیرالوریٰ ﷺ کو

مرے وردِ زباں ہر آن کر دے
بجز تیرے نہ ہو سجدہ کسی کو
یہ میری ذات کی پہچان کر دے
الٰہی اسم پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو
مرے افسانے کا عنوان کر دے
مری خلوت نشینی میرے مولا
برنگِ خاصۂ خاصان کر دے
جنابِ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو
مرا ہر طرح نگہبان کر دے
مری کوتاہیِ اعمالِ صالح
مبرّا بر سرِ میزان کردے
(آمین)

فائقؔ بدایونی

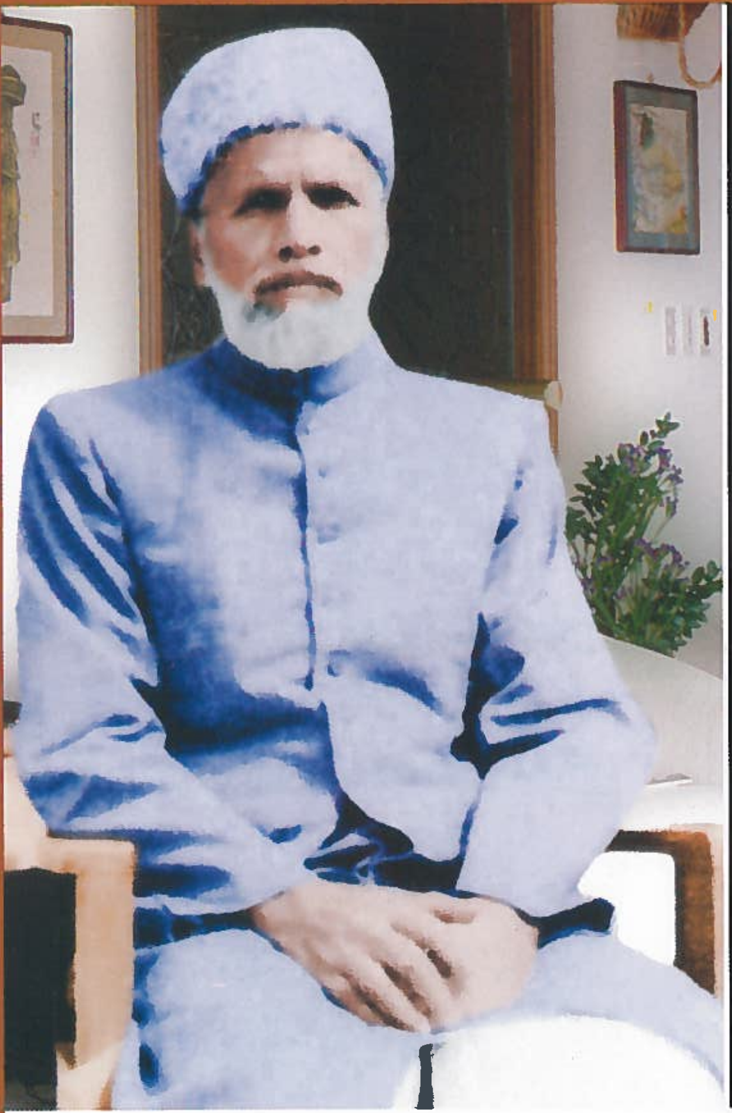

سیّدی حضرت ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ

قادری سروری اویسی سلسلہ کے بانی

سیّدی حضرت غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ / احمد رحمۃ اللہ علیہ قادری

المعروف ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ

وفات

بروز اتوار ۵/ اپریل ۱۹۶۴ء مطابق ۲۲/ ذی القعد ۱۳۸۳ھ

تدفین

بروز پیر ۶/ اپریل ۱۹۶۴ء مطابق ۲۳/ ذی القعد ۱۳۸۳ھ

مزار شریف

پنجابی قبرستان، ریکسر لائن، کراچی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بحمد اللہ

راقم اس شرف واعزاز پر شکر گذار ہے کہ اس کو ابا جیؒ کے مقربینِ خاص وہم نشین وتربیت یافتگان سے سلسلے کے رموز ونکات سمجھنے اور سلسلے کی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے کے لیئے پچاس سال کی مدت عطا ہوئی اور آج ابا جیؒ کے اکیاون سالہ عرس کے موقع پر یہ شرف بھی عطا ہوا کہ سلسلہ کے حوالے سے جو دیکھا سمجھا اور سیکھا ہے اور جس کو یاد رکھنے کی توفیق بھی سرکار ﷺ نے عطا کی ہے اپنی ضعیفی کی آخری حد یعنی عمر کے اسی (۸۰) سال سے متجاوز ہونے کے بعد سپرد قلم کر رہا ہے۔ سرکار ابا جیؒ کی عنایت خاص ہے کہ انھوں نے راقم کو ماضی و مستقبل کے درمیان ایک غیر جانب دار شارح کی حیثیت سے رابطہ بنا دیا ہے اور یہ احساس بھی عطا کیا ہے کہ گزشتگان کا ذکر ان کی صفات عالیہ کے ساتھ نو عمر اور آنے والے غلاموں کے گوشِ گذار کرنے کے ساتھ سلسلہ کے بنیادی اصول ''اَوامر و منہیات'' بھی حسب مقدور بیان کر دے۔ کوشش یہ ہے کہ تحریر جامع بھی ہو اور مختصر بھی۔ تبصرہ ہو تو بے لاگ۔ تعریف ہو تو حق پر مبنی ہو اور ہر قسم کی افراط وتفریط سے بھی دامن پاک رہے۔ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں کہ نہیں یہ بات الگ ہے مگر سرکار ابا جیؒ کے حضور درخواست یہی ہے کہ لکھے ہوئے کو قبول فرما کر اس میں

تاثیر عطا کریں کہ پڑھنے والے ان معلومات کے حوالے سے اپنا احتساب کر کے اپنی اصلاح اور راقم کے لیئے دعا کریں کہ سلسلہ کے بنیادی اصول پر عمل پیرا رہ کر اپنی نسبتوں پر اس کا اعتماد روز افروں رہے۔

ہو کرم ایسا کہ پھر کوئی بھی حاجت نہ رہے
ماسوا کے لیئے دل میں کوئی چاہت نہ رہے
وہ یقین دیدے کہ جس پر کوئی حجت نہ رہے
آنکھ کو جلوۂ محبوبؒ سے فرصت نہ رہے

جس حقیقت کو سمجھتے ہیں فسانہ دیکھیں
غوث اعظمؒ کا کرم اہل زمانہ دیکھیں

قلزم لطف و کرم ہو ترے در سے جاری
شوقِ منزل ہو تری راہ گذر سے جاری
قلبِ مردہ ہو فقط ایک نظر سے جاری
سلسلہ فیض کا ہو یوں ترے گھر سے جاری

طور سینا کی طرح ذرّے منور ہو جائیں
ایسی وسعت ملے قطرے بھی سمندر ہو جائیں

(آمین)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوچتا ہوں

لکھوں کہ نہ لکھوں؟ نہ لکھا تو نہ جانے کتنے اہل سلسلہ غلام بھائی ہوں گے جنہیں حقائق سے واقفیت ہی نہ ہو سکے گی اور وہ وقت کے تیز دھارے کے ساتھ بدلتے ہوئے حالات کے پس منظر اور سلسلہ کی اساس سے ناواقف رہیں گے ۔۔۔اور لکھ دیا اور سب لکھ دیا تو اس وقت سلسلے کے بااختیار لوگوں میں سے اکثر ناراض ہو جائیں گے کہ۔۔۔ میری تحریر کا مقصد خودنمائی قرار دیں گے۔۔۔اور بہت سے تو یہ کہینگے کہ فائق صاحب نے اباجیؒ کو دیکھا تو ہے نہیں۔۔۔وہ اباجیؒ کو اور اباجیؒ کے سلسلے کو کیا جانیں، ہم تو اباجیؒ کی محفلوں میں شامل رہے ہیں۔۔۔ اباجیؒ کو تو ہم جانتے ہیں۔۔۔اس کے لیئے میرا جواب یہ ہے کہ بے شک جو اباجی کی محفلوں میں بیٹھے اور جنہوں نے اباجیؒ کی زیارت کی وہ بڑے صاحب مقام اور قابل احترام ہیں۔ میں خود کو ان کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔۔۔ مگر ایک بات ہے وہ یہ کہ اگر ایسا کہنے والے کچھ لوگ ہیں تو ان میں بعض تو وہ ہیں جو اباجیؒ کی محفل نشینی کے زمانے میں بچے تھے بے شک انہیں دیدار اور قرب ظاہرہ کا شرف حاصل ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے حقائق کو کس نظر سے دیکھا اور کس طرح سمجھا ہے۔۔۔ان لوگوں میں بعض خواتین بھی ہیں سو ان کے ضمن

میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ شریعت مطہرہ نے ان کے خلقی تقاضوں کے تحت ان کی گواہی کو مرد کے مقابلے میں نصف قرار دیا ہے۔۔۔خال خال ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بالغ نظری کے ساتھ حضرت ابا جیؒ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا ہے۔۔۔وہ لوگ جو اباجیؒ کے ہم نشین تھے اور اب اس دنیا سے گزر چکے ہیں ان میں حضرت ابا جیؒ کے فرزند ارجمند قادر بھائی جانؒ کا نام سرفہرست ہے راقم کو ان کی ہم نشینی کا اعزاز بھی حاصل ہے اور سالہا سال جمعرات کو اور چاند کی دس تاریخ کو قادری منزل پر ہونے والے ختم شریف میں شریک ہو کر ان کی زبان مبارک سے بھی حضرت ابا جیؒ کے واقعات، ان کے فرمودات اور سلسلے سے متعلق بہت سی باتیں سنی اور یاد رکھی ہیں۔۔۔اسی طرح حضرت اباجیؒ کے محبوب اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کا نہ صرف شرف ہم نشینی حاصل ہے بلکہ موصوف نے ہی راقم کو نوافل پڑھا کر داخل سلسلہ کیا تھا اور اس نیاز مند نے ان سے حصول فیض باطنی بھی کیا ہے۔۔۔ہدایات ظاہرہ بھی حاصل کی ہیں۔۔۔سلسلے کے رموز کو سمجھا ہے اور حضرت اباجیؒ سے متعلق بہت سی ظاہری و باطنی خبریں حاصل کی ہیں اور بحمد اللہ آج تک عالم خواب میں ان کے شرف دید و ملاقات کا سلسلہ جاری ہے۔۔۔آپ نے بعض لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیئے ایک بار فرمایا تھا۔ ''فائق کے لیئے میرے دروازے تا قیامت کھلے ہیں''۔۔۔اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کے علاوہ حضرت سیّد شبیر علی قادریؒ کی ہم نشینی سے بھی مشرف ہوا ہوں صرف ہم نشینی ہی نہیں بلکہ ان کی نوازشات و عنایات اور قربت خاص کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے از راہ عنایت مجھے 'بیٹا' کہا تھا اور میرے غیاب میں

جس کا علم مجھے جناب اقبال قادری صاحب کی زبانی ہوا۔۔۔اپنے بچوں سے جن میں خود اقبال قادری بھی شامل تھے فرمایا تھا کہ "فائق آج سے تمہارا بڑا بھائی ہے"۔اس کا لحاظ رکھنا اس کے علاوہ اکثر فرماتے تھے۔۔۔"فائق فائق" ہے ۔۔۔وقت آخر بھی جب آپ ہسپتال کے ایک کمرہ میں انتہائی غشی اور کمزوری کی حالت میں تھے وقتِ گذر سے کم وبیش ایک گھنٹہ قبل جب میں مشک وگلاب کی خوشبو سے مہکتے ہوئے ان کے کمرے میں داخل ہوا تو ان کی ظاہری حالت دیکھ کر میں نے با آواز بلند سلام کرنے سے گریز کیا اور جا کر خاموش کھڑا ہو گیا برادرم اقبال قادری جو میرے ساتھ تھے انہوں نے با آواز بلند کہا۔۔۔ "بابا فائق صاحب آئے ہیں"۔۔۔آپ نے آنکھیں کھولیں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا اور "السّلام علیکم" کہہ کر فرمایا۔۔۔"فائق صاحب، ابّا جیؒ، ماں جیؒ" آگے ان کی نوازشات وقربت کا کیا بیان کروں

اس کو انگور ہی میں رہنے دو
کیوں کھنچے کیوں حرام ہو جائے

غرض یہ کہ راقم نے قادری صاحب کی نوازشات وقربت سے مستفید ہو کر حضرت ابّا جیؒ کی شان سے متعلق، ان کے سلسلے سے متعلق بہت سے واقعات اور بیانات "کچھ مشاہدے۔۔۔کچھ مراقبے۔۔۔اور کچھ خواب سنے ہیں۔آپ کی ذاتِ اقدس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیجئے کہ ایک مرتبہ عالم خواب میں اس نیاز مند سے فرمایا۔۔۔"میں ہی قادر ہوں میں ہی عبدالقادر"۔۔۔ آپ اندازہ کیجئے کہ یہ جملہ کس مقام پر فائز روحانی کہہ سکتی ہے۔کہ اگر ظاہر میں

زبان سے نکل جائے ۔۔۔تو لوگ کہیں کہ ''یہ دور بھی جنیدؒ و منصورؒ سے خالی نہیں ہے''۔عرض مدعا یہ کہ میں نے ایسی زبردست ہستی سے حضرت اباجیؒ کی ذات پاک اور آپ کے سلسلے سے متعلق معلومات حاصل کی ہیں جس کی مثال اس دور میں مشکل ہے۔

حضرت اباجیؒ کے سلسلے کی ایک عظیم ہستی ایک بے مثال فقیر پروفیسر سیّد باسط علی جعفریؒ تھے۔۔۔ان کی شخصی عظمتوں ۔۔۔دینی نعمتوں۔۔۔اور روحانی و باطنی مدارج و مراتب کی بات تو آئندہ تحریر میں آئے گی۔فی الوقت ان کا ذکر اس حوالے سے کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے حضرت اباجیؒ کی ذات اقدس اور سلسلہ کی نزاکتوں کو بالخصوص ان کے ہی ذریعہ سمجھا اور دیکھا ہے۔ ان سے مجھے صرف شرف قربت ہی نہیں بلکہ اعزاز یگانیت حاصل ہے ان میں اپنی نفی کی شان اس قدر نمایاں تھی کہ اکثر اہل سلسلہ ان کے ظاہری برتاؤ اور رویّوں کے سبب یہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے کہ وہ اس قدر کامل فقیر اور صاحب نعمت ہونگے جیسے وہ تھے۔۔۔وہ قادری صاحبؒ اور اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ، جناب محمد علیؒ اور پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ اور دوسرے غلاموں سے اتنا گر کے ملتے تھے کہ سطحی نظر رکھنے والے غلام انہیں بھی اپنی طرح سمجھتے تھے۔ حالانکہ انہیں حضرت اباجیؒ نے پہلی ہی نظر میں اتنی عظیم نعمتوں سے مالا مال کردیا تھا کہ سلسلے میں اس کی مثال نہیں ملتی مگر انہوں نے یہ سبق یاد کرر کھا تھا کہ ''انا عبده وليسا للعبد مع سيده اختيار ولا اراده '' جو اہل نظر تھے وہ اپنی استعداد نظر کی حد تک ان کا احترام کرتے تھے۔حضرت سیّد شبیر علی قادریؒ انہیں ''بڑا صوفی'' اور اپنا بڑا بھائی کہتے تھے۔۔۔اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ

ہمیشہ ان کی نظر دیکھ کر ان سے مشاورت کرتے تھے۔۔۔ جناب محمد علی صاحبؒ کو میں نے ان سے مشورہ کرتے دیکھا ہے۔ پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ بھی اپنے مسائل ان کے ہی سامنے پیش کرتے تھے۔ حضرت اباجیؒ نے انہیں دوست کہا تھا ۔۔۔ وہ جعفری سیّد ۔۔۔ علی گڑھ کے گریجویٹ حیوانیات کے پروفیسر اندرون سندھ اور کراچی کے کئی کالجوں میں پرنسپل رہے تھے اپنے صاحب نعمت و صاحب اختیار ہونے کی کسی کو کبھی ہوا نہ لگنے دی البتہ میرے ساتھ یہ التفات تھا کہ مجھے بہت سے رازوں سے واقف کر دیا تھا مگر یہ وعدہ لیا تھا کہ میں ان کی زندگی میں ان کے بھید کبھی کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔۔۔ مجھ سے فرماتے تھے کہ۔۔۔ ''تم میری ذات میں شامل ہو۔۔۔ ذات کا حصہ ہو۔۔۔ ہاتھ یا پیر نہیں بلکہ میرا سر ہو کہ اس کے جدا ہونے سے ذات ہی ختم ہو جائے۔۔۔ فرمایا ''اگر تمہارا ''اسم اللہ'' جائے تو میرا ''اسم اللہ'' تمہارے لیئے ہے۔۔۔ تمہیں سرکار نے وہ نعمت عطا کی ہے جسے کوئی سلب نہیں کر سکتا۔۔۔ اگر کوئی ولی اللہ کوشش بھی کرے گا تو اپنی نعمت گنوا بیٹھے گا!۔۔۔ یہ سب عرض کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ انہوں نے بے حد محبت اور بڑی دل سوزی سے میری تربیت کی ہے اور مجھے سلسلے کے وہ رموز و نکات سمجھائے ہیں جو شاید کسی کو میسر نہیں۔ ان کی تدریس کا بنیادی نقطہ مرکز کی اہمیت۔۔۔ سلسلے کا براہ راست ہونا پیری مریدی کے بجائے سلسلے کا فقیرانہ مزاج ۔۔۔ غلامی ۔۔۔ اویسی نسبت ۔۔۔ سروری پنجتنی فیض اور اپنی ذات کی نفی تھی ۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔

پروفیسر مرتضیٰ شفیع صاحبؒ سے بھی میرے قدیم روابط تھے ۔۔۔ ان کے ہی ذریعہ میں داخل سلسلہ ہوا۔۔۔ اور اوپر ذکر کردہ بزرگانِ دین سے میرے

روابط انہیں کی معرفت ہوئے۔۔۔ وہ اعلیٰ ذوق رکھنے والے اردو کے پروفیسر تھے۔۔۔ اور انجمن آرائی ان کا شعار تھا۔۔۔ پر مغز اور دلکش گفتگو سے شمع محفل بنے رہتے تھے۔۔۔ میرے ساتھ بہت بے باک تھے۔ میرے غیاب میں میرا تذکرہ بہت محبت سے کرتے تھے۔۔۔ سلسلے کے ابتدائی دس سال میں میرا اور ان کا ساتھ بہت پکا اور مستقل تھا۔ قادری صاحب کے وصال کے بعد سے ظاہرہ ربطہ ذرا کم ہوگیا تھا مگر جب ملاقات ہوتی بڑی رمزیانی مسکرہٹوں کے ساتھ ہوتی! آج تک خوابوں میں سلسلۂ ملاقات جاری ہے!۔۔۔

یہ سب کچھ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ میرے پاس سلسلے کی جو معلومات ہیں ان کے ذرائع وہ معتبر اور عظیم شخصیات ہیں جنہیں حضرت اباجیؒ سے شرف قرب وہم نشینی رہا ہے اور جنہوں نے بڑی جان سوزی، محنت، صداقت، بصیرت اور بے لوثی کے ساتھ مجھے سلسلے کی نوعیت سے آگہی بخشی ہے۔

مندرہ بالا سطور کے حوالہ جات سے یہ اعتراض تو ختم ہو جاتا ہے کہ فائق صاحب کی فراہم کردہ معلومات کا درست ہونا مشکوک ہے۔۔۔ اب رہا یہ اعتراض کہ راقم نے نہ حضرت اباجیؒ کے ظاہرہ دیدار کیئے ہیں اور نہ ان کی محفلین دیکھی ہیں اس لیئے ان کا لکھا ہوا کیوں کر قابل قبول ہو؟۔۔۔ اس کے جواب میں بغیر تشبیہ عرض کروں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ کی سیرت طیبہ اور فرمودات واحکامات سے متعلق جس قدر تحریریں دستیاب ہیں ان میں سے کوئی بھی مفصل کتاب براہ راست کسی صحابیؓ کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب صحابہ اور تابعین کے بعد کے ہی لوگوں کا لکھا ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ ہم نشینی اور صحبت کا شرف رکھنے

والے اس قدر مستغرق اور ذات میں محو ہوتے ہیں کہ آنے والے وقت کی انہیں فکر ہی دامن گیر نہیں ہوتی ہاں جب ہم نشینی اور صحبت کا شرف رکھنے والے اٹھنے لگتے ہیں تو لوگوں کو فکر ہوتی ہے کہ گزرے ہوئے وقت کی جس قدر معلومات دستیاب ہوسکیں انہیں قلم بند کر دیا جائے! تو یہی احساس راقم کا ہے کہ وقت کی تیز رفتار تبدیلیوں کے ساتھ ''کل کی حقیقت آج کا فسانہ نہ بن جائے!''۔۔۔ اور جو لوگ سلسلے کے حقیقی خدوخال دیکھنا چاہیں انہیں تحریر ھٰذا سے معلومات حاصل ہو جائیں۔

اس وقت حضرت ابا جیؒ کے سلسلے سے جو لوگ اپنے اپنے رہبر سے وابستہ ہیں اور جو کچھ ان کے حلقہ میں ہو رہا ہے وہ اسی کو حضرت ابا جیؒ کا سلسلہ سمجھتے ہیں اور اپنے حلقے کے سربراہ کو ہی حضرت ابا جیؒ کا حقیقی وارث جانتے ہیں میں ان کے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں مگر وہ لوگ جو اپنے علاوہ دوسرے حلقے کے لوگوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں اور حضرت ابا جیؒ کے فیض کو محدود سمجھتے ہیں ان سے مجھے اختلاف ہے اور ان کے لیئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں وسعت پیدا کرے اور انفرادی یا اجتماعی ''انا'' کے فریب سے نکال کر حضرت ابا جیؒ کا دیا ہوا سبق یاد رکھنے کی توفیق عطا کرے۔

میرا ماہی صلِّ علیٰ، نور خدا، شمس الوریٰ، مشکل کشا، شیر خدا، ہادیٔ رہنما، میں کچھ بھی نہیں

سلسلے کی ابتدا

حضرت اباجیؒ کا سلسلہ خود اباجیؒ کے فرمان کے مطابق دنیا سے انوکھا اور نرالا۔۔۔ تا قیامت قائم رہنے والا۔۔۔ حضرت غوث پاکؒ کی غلامی کا براہ راست سلسلہ ہے۔ قادری سلسلے تو دنیا بھر میں موجود ہیں خاص کر افریقہ میں وہ بہت مقبول ہیں۔۔۔ مگر ان سب میں جو ''سروری سلسلہ'' کہلاتا ہے وہ سب سے منفرد ہے۔۔۔ برصغیر میں اس کا آغاز حضرت سلطان باہوؒ سے ہوا جن کے سلسلے میں داخل ہونے والا ہر فرد حضرت غوث پاکؒ کا غلام ہوتا تھا۔ حضرت سلطان باہوؒ فقر کی پانچویں ہستی ہیں۔ ان کا سلسلہ ''پیری مریدی'' کا نہیں تھا یعنی خانقاہی آداب سے بالاتر ''ایک فقیر کے براہ راست فیض کا سلسلہ تھا۔''

حضرت سلطان باہوؒ کے ڈھائی سو سال بعد حضرت اباجیؒ کا سلسلہ قائم ہوا۔۔۔ براہ راست غلامی کا سلسلہ۔۔۔ اویسی نسبت والا۔۔۔ ایک فقیر کامل بلکہ اکمل حضرت اباجیؒ کا قائم کردہ سلسلہ۔۔۔ جو حضرت غوث پاکؒ کے ارشاد پر۔۔۔ حضرت اباجیؒ نے بغداد شریف میں حضرت غوث اعظمؒ سے براہ راست نعمت پا کر کپورتھلہ میں شروع کیا۔۔۔ وہاں سے لاہور۔۔۔ پھر گجرانوالہ ہوتے ہوئے حضرت اباجیؒ نے کراچی میں قیام فرمایا اور یہاں سلسلہ کا مرکز ''عباسی مینشن رنچھوڑ لائن'' میں قائم ہوا جو حضرت اباجیؒ کی رہائش گاہ تھی۔ یہ کم و بیش ساٹھ (۶۰) سال پرانی بات ہے۔

۱۹۵۰ء میں کراچی ایرنیاں اسکول میں سیّد شبیر علی قادریؒ اسلامیات کے استاد، پروفیسر سیّد باسط علی جعفریؒ سائنس کے استاد اور پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ اردو کے استاد تھے اور اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ جو نوعمر تھے کراچی میں ان کی ایک دوکان تھی جس میں وہ سائیکلوں کی مرمت کرتے تھے۔

ان کا سیّد شبیر علی قادری صاحبؒ کے پاس آنا جانا تھا وہ بھی احمد آباد کے رہنے والے تھے اور قادری صاحبؒ کے چھوٹے بھائی شوکت باپوؒ کسی زمانے میں (غالباً ہندوستان میں) ابتدائی جماعتوں میں نظام الدین صاحبؒ کے بڑے بھائی غلام نبی صاحبؒ کے ہم جماعت رہے تھے۔ اس طرح نظام الدین صاحب قادری صاحبؒ سے واقف تھے اور ان کے پاس آنا جانا تھا۔

سیّد شبیر علی قادریؒ حضرت غوث پاکؒ کی اولاد میں تھے ان کے والد محترم سے پیری مریدی کا آبائی سلسلہ چل رہا تھا۔۔۔قادری صاحب ''پیدائشی ولی اللہ تھے بچپن میں جب ہم عمر بچوں میں کھیلتے تو اسم ''اللہ'' ڈھونڈنے کا کھیل کھیلتے تھے اور خود ان کے ارشاد کے مطابق ایک ہجولی کی حیثیت سے حضرت قاسمؒ بن حضرت حسنؓ ان کے ساتھ آ کر کھیل میں شریک ہو جاتے تھے۔ قادری صاحبؒ خود حسنی سیّد تھے۔ کامل فقیر تھے اپنے والد بزرگوار سے بھی خاندانی فیض تھا۔۔۔ نیز ایک اور بزرگ کے ہاتھ پر بھی بیعت تھے شاید ان بزرگ کا نام حضرت ابوالحسناتؒ تھا جو ایک بڑے صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔۔۔ چنانچہ حضرت شبیر علی قادریؒ کو دوطرفہ قادریہ فیض حاصل تھا۔۔۔ آپ روزانہ شام کو کہیں نشست اختیار کرتے تھے۔ حضرت ابّا جیؒ اپنے بیٹے قادر بھائی جانؒ کے ہمراہ سیر کی غرض سے جہانگیر پارک جاتے تھے اور جناب قادری صاحبؒ پر ان کی نظر پڑتی تھی۔۔۔ ایک دن

آپ نے قادری صاحبؒ کو اپنے ہمراہ لیا اور گاڑی میں بیٹھا کر اپنی رہائش گاہ تشریف لائے۔ حضرت شبیر علی قادریؒ نے مجھ سے خود فرمایا کہ میں اس زمانے میں بے روزگار اور تلاش معاش میں تھا میں سمجھا کہ یہ کوئی سیٹھ صاحب ہیں جو مجھے ساتھ لے جا رہے ہیں شاید اب نوکری مل جائے گی۔ حضرت ابا جیؒ پر قادری صاحب کو سیٹھ صاحب ہونے کا گمان اس لیئے ہوا کہ حضرت ابا جیؒ کار میں سفر کرتے تھے اور آپؒ کی شخصیت قد و قامت لباس اور چال ڈھال کے لحاظ سے بڑی باوقار تھی۔ آپ کا لباس ایک مہذب متمول دنیادار کا سا تھا شلوار، کرتا، شیروانی، لیاقت کیپ، ملتانی جوتے۔ خاموش پروقار۔۔۔اسی لیئے قادری صاحبؒ انہیں سیٹھ صاحب سمجھے قادری صاحبؒ نے فرمایا کہ آپ مجھے گھر لے گئے۔۔۔اور گھر پہنچ کر فرمایا۔۔۔''شاہ جی دو رکعات نفل پڑھ لو'' قادری صاحب فرماتے ہیں کہ جونہی میں نے سجدے میں زمین پر سر رکھا تو عالم ہی عجب نظر آیا شاید سرکار ﷺ نے حضرت ابا جیؒ کی باطنی حیثیت و منزلت دکھا دی۔

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو میکدے سے تو دنیا بدل گئی

سونے پر سہاگہ۔۔۔ایک تو قادری صاحبؒ جیسا فقیر۔۔۔پھر حضرت ابا جیؒ کی شفقت و محبت کی نظر۔۔۔سلسلے کے رازوں سے واقف ایک شخصیت کے مطابق حضرت ابا جیؒ نے وہ تمام نعمتیں جو قادری صاحبؒ کو دوسرے دو سلسلوں سے حاصل ہوئی تھیں جوں کی توں ان کے پاس رہنے دیں اور اپنی طرف جو عطا فرمایا وہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ تمام ہی کاملین صاحبان سلسلہ اور بزرگان دین کا جو فیض ہے وہ صرف خاکی مخلوق تک ہی محدود نہیں بلکہ آتشیں طالبانِ حق بھی بزرگوں کے فیض سے محروم نہیں رہتے۔ جیسے سرکار دوعالم ﷺ ثقلین کے مولا ہیں اور جیسے قرآن حکیم معاشرہ جن وانس کے لیئے ہدایت ہے اسی طرح بزرگوں کا فیض بھی جنّ وانس دونوں کے لیئے ہے مگر محتاط بزرگ آتشیں اور خاکی وجودوں کو ایک دوسرے میں مدغم ہونے کی اجازت نہیں دیتے اور جو بزرگ اس معاملے میں بھی ڈھیل دیتےؒ ہیں اُن کے ہاں بیٹھنے والوں کو ''گڈمڈ معاشرہ'' سے کچھ فائدے بھی پہنچتے ہیں اور کچھ نقصانات بھی۔ حضرت سیّد شبیر علی قادریؒ جب حضرت اباجیؒ کے سلسلے میں داخل ہوئے اس وقت بھی ان کے پاس جناتوں کے ایک بہت بڑے طاقتور لشکر کی سربراہی تھی بلکہ میں نے بعض نہایت معتبر شخصیات سے قادری صاحبؒ کے لیئے جناتوں کی نسبت سے سربراہی کے بجائے جناتوں کی بادشاہت کا لقب بھی سنا ہے اور صاحبان نظر وصاحبانِ مراقبہ بزرگوں کے مطابق اس لشکر کے جو آتشیں سربراہ ہیں وہ شاہ جیؒ کے طور شہرت رکھتے ہیں اور سیّد شبیر علی قادریؒ کے یا تو ہم شکل ہیں یا ان کی شکل وشباہت میں نظر آنے کا اختیار رکھتے ہیں اور شباہت کی اسی نسبت سے بہت سے صاحبانِ مراقبہ نے دھوکے بھی کھائے ہیں۔۔۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے قادری صاحبؒ سے فرمایا کہ ہم نے آپ کو فلاں بات کرتے سنا یا فلاں کام کرتے دیکھا ہے۔۔۔ ایسے بیانات پر قادری صاحبؒ اکثر فرماتے تھے کہ غلام نہیں کوئی اور ہوگا۔ غرض یہ کہ اس ''صوری وحدت''

اور معنوی دوئی نے بہت سے صاحبان نظر کو سیّد شبیر علی قادریؒ سے بدگمان کردیا تھا۔ یہی بدگمانی بڑھتے بڑھتے گروہ بندی اور مسلکی اختلاف کی شکل اختیار کرگئی اور مختلف راہوں کے کاملین۔۔۔ ''دھوبی گھاٹ والے جناب محمد علی صاحبؒ حضرت ابا جیؒ کے محبوب اعلیٰ حضرت نظام الدین قادری صاحبؒ اور حضرت ابا جیؒ کے عاشق باکمال سیّد شبیر علی قادری صاحبؒ اپنے اپنے معتقدین کو ساتھ لے کر ایک دوسرے سے الگ ہی نہیں بلکہ بعض سوئے ظن کے ساتھ الگ الگ ہوگئے۔ صرف ایک سیّد باسط علی جعفریؒ وہ واحد شخصیت تھے جو ان تینوں عظیم ہستیوں میں سے کسی کی نفی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی نفی کرکے تینوں کی اثبات کرتے رہے۔

ایک اہم ترین ہستی اور بزرگِ کامل حضرت ابا جیؒ کے صاحبزادے قادر بھائی جانؒ تھے جو قادری منزل آنے والے ہر شخص کے لیئے کسی تعین یا تفریق کے بغیر خود کو مخدوم ہوکر خادم کہتے تھے۔ اور حضرت ابا جیؒ کی شریک زیست ''سیّدہ ماں جیؒ'' سب کے لیئے دعاگو اور پناہ گاہ تھیں ان کے سامنے کوئی اپنے کسی گروہی تشخیص کا حوالہ دینے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا ماں جیؒ کی حیات ظاہرہ تک قادری منزل کی مرکزی حیثیت بہت مستحکم رہی۔ جمعرات اور گیارہویں کے ختم شریف، پندرہویں شب شعبان کی شب بیداری اور نوافل میں تمام ہی لوگ اپنے اختلافی احساس کو دبائے ہوئے عملی وحدت کا مظاہرہ کرتے رہے اور کسی کو بھی کسی معاملہ میں چون و چرا کی جرأت نہ ہوئی۔ ماں جیؒ کے رویّہ سے یہ بات واضح تھی کہ وہ قادری صاحبؒ کے ساتھ ایک ایسی شفقت خاص رکھتی تھیں کہ جس سے قادری صاحبؒ کے حلقہ

کے خاکی و آتشیں دونوں ہی وجود مطمئن اور سلامت تھے راقم نے سیّد شبیر علی قادریؒ کی زبان سے یہ بات بارہا سنی ہے کہ ''بے شک سرکار ابا جیؒ کا کرم بے حساب اور بے مثال ہے مگر ماںؒ نے جو کرم کیا ہے اس کی بات ہی اور ہے''۔ اور اس بیان نے اس وقت عملی شکل اختیار کرلی جب قادری صاحبؒ نے اپنے آخری ایام میں اپنے گھر کی رہائش ترک کر کے محترمہ زبیدہ مرحوم پروفیسر مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کی بڑی خواہر نسبتی سے ربط خاص پیدا کر کے مرتضیٰ شفیع مرحوم کے ساتھ سوسائٹی والے فلیٹ میں رہائش اختیار کر کے اس کو ''ماں جیؒ'' کا گھر ڈکلیئر کیا۔ (یہ بات ماں جیؒ کی حیات ظاہرہ کے بعد کی ہے۔)

بایں ہمہ اپنی حیاتِ ظاہرہ میں ماں جیؒ کی جو شفقت اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کے ساتھ رہی وہ بھی بے مثال اور قابل رشک تھی۔ ماں جیؒ کی حیات ظاہرہ تک قادری صاحبؒ ان کی آل و اعزاء اور حلقۂ اثر کے تمام ہی لوگ قادری منزل پر باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے اور یہی حال اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کے حلقۂ اثر والوں کا بھی تھا۔ ہر چند کہ اعلیٰ حضرت کی راجہ مینشن اور ابا جیؒ منزل کی نشستیں بڑی پُر بہار اور باوقار تھیں مگر ختم شریف اور بڑی رات کا اجتماع قادری منزل پر ہی رہتا تھا اور دونوں حلقوں کے متعلقین کے علاوہ ملیر والے بھی سیّد باسط علی جعفریؒ، پروفیسر مرتضیٰ شفیع، محترم برنی صاحبؒ، احمد شفیع صاحبؒ، مرحوم غلام بھائی (جمیل بھائی)، ماجد بھائی، راقم اور دیگر لوگ بھی بڑی باقاعدگی سے قادری منزل کی مرکزیت کو عملاً تسلیم کرتے رہے۔ البتہ دھوبی گھاٹ والے ''محمد علیؒ'' جو فقر کی اعلیٰ ترین ہستی اور بے لاگ اور بے ٹوک تیغ براں کی مانند تھے اُن کی حاضری کا سلسلہ قادری منزل سے منقطع رہا۔ جس کے باطنی وجوہ سب پر ظاہر نہیں ہیں۔

ماں جیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد جب راقم قادری منزل پر سیّد باسط علی جعفریؒ کے ساتھ موجود تھا تو ایک اجنبی چہرہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ دھوبی گھاٹ والے ''محمد علی صاحبؒ'' تھے وہ جیسے سب اجنبی لوگوں کے درمیاں صرف باسط صاحبؒ سے قربت رکھتے تھے محبت آمیز انداز میں باسط صاحبؒ کی طرف بڑھے اور آہستگی سے باسط صاحبؒ سے فرمانے لگے ''باسط صاحبؒ میری معافی ہوگئی ہے'' یہ جملہ راقم نے بھی سنا اور باسط صاحبؒ کا جوابی جملہ بھی ۔۔۔''باسط صاحبؒ نے ان کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا کہ ''اب آپ قادری منزل پر ہی بیٹھیں گے!۔'' اس کے بعد باسط صاحبؒ کا تبادلہ کراچی سے حیدرآباد ہوگیا اور قادری منزل پر ''حضرت محمد علی صاحبؒ کی نشستیں قادر بھائی جانؒ کے ساتھ شروع ہوگئیں ساتھ ہی ایک تبدیلی یہ بھی رونما ہوئی کہ سیّد شبیر علی قادریؒ کی قادری منزل پر حاضری کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور قادری صاحبؒ نے اس غلام کے سامنے فرمایا کہ ''اب اس عاجز غلام کی قادری منزل پر حاضری کی ایک شکل تو یہ ہے کہ قادری بھائی جانؒ'' اپنی زبان سے قادری منزل حاضر ہونے کا حکم دیں یا پھر یہ کہ قادر بھائی جان مدینہ شریف حاضری دینے کے بعد واپس آجائیں''۔ مگر ان دونوں میں سے کوئی بات نہ ہوئی قادری صاحبؒ نے یہ جملہ کہنے سے پہلے یہ بھی فرمایا تھا کہ قادر بھائی جانؒ کی ذات میرے لیئے وہ ہے کہ اگر آپ میری کھال کے جوتے بنوا کر بھی پہنیں تو میرے لیئے اعزاز ہے۔ اسی زمانے میں باسط صاحبؒ چونکہ کراچی میں موجود نہیں تھے اس لیئے ان کے ارشاد کے مطابق راقم کی حاضری قادری صاحبؒ کے ہاں ہوتی تھی ۔۔۔اور قادری صاحبؒ نے قادری منزل پر حاضری

کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد راقم سے فرمایا ''پتر تو فکر نہ کرنا ابھی سرکار'' کا یہ عاجز غلام بیٹھا ہوا ہے''۔۔۔راقم ان حالات ظاہرہ کے باطنی اسباب و محرکات کی آگاہی بھی رکھتا ہے مگر یہاں ان کا بیان ضروری نہیں ہے غرض یہ کہ قادری منزل پر محمد علی صاحبؒ کے ''براج مان'' ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کے حلقہ اثر والوں کا بھی آنا جانا ختم ہو گیا پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۹۷۶ء میں قادری صاحب نے پردہ فرمایا اور راقم نے ان کی تاریخ وصال کہی ''عشق غوث'' تھوڑے ہی عرصہ بعد اعلیٰ حضرتؒ اور محمد علی صاحبؒ بھی عالم بقا میں چلے گئے اوز بالا آخر ۱۹۹۹ء میں سیّد باسط علی جعفریؒ بھی ہم سے رخصت ہو گئے۔اور راقم نے ان کی تاریخ وصال یوں نظم کی کہ

لفظِ وصال جوڑ کے تاریخ یوں کہیں

''وہ جا رہا ہے کوئی شبِ غم گزار کے''

۱۲۷ + ۱۸۷۲ = ۱۹۹۹ء

ماں جیؒ کی حیات ظاہرہ تک گروہی اختلافات پردہ پردہ ہی میں چلتے رہے اور آپ کے پردہ فرمانے کے بعد چند بڑے حلقے بن گئے۔

- اوّل: قادری بھائی جانؒ کے وابستگان مرکزی حیثیت میں جو قادری منزل پر مسلسل حاضری دیتے رہے۔
- دوم: دھوبی گھاٹ کے حلقے والے جن کی حاضری قادری منزل پر نہیں تھی محمد علی صاحبؒ سے وابستگی تھی۔
- سوم: اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کے حلقہ اثر والے ابا جی منزل کے لوگ!

- چہارم: سیّد شبیر علی قادریؒ کے وابستگان جن میں ان کی آل واعزاء اور معتقدین شامل تھے۔
- پانچواں حلقہ جو حلقہ نہیں تھا اپنی نفی کر کے سب کو تسلیم کرنے والے سیّد باسط علی جعفریؒ کے تربیت یافتگان جن میں راقم سے/ برنی صاحب سے/ غلام بھائی (جمیل) سے/ ماجد بھائی سے اور نذیر بھائی سے لوگ عام واقفیت رکھتے تھے۔ سب کو تسلیم کرتے اور کسی سے گروہی وابستگی نہ رکھتے تھے۔ اس حوالے سے ایک مرتبہ سیّد باسط علی جعفریؒ نے حضرت شبیر علی قادریؒ سے ''راقم'' کے لیئے کہا تھا ''فائق بھی میری طرح سلسلے کا وہابی ہے'' یہ جملہ سن کر کبھی نہ ہنسنے والے قادری صاحبؒ کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔

معاملاتی حوالے سے حضرت ابا جیؒ کے سلسلہ میں سیّد شبیر علی قادریؒ ایک ایسی گہری شخصیت تھے کہ ان کے باطن کو سمجھنا تو کجا لوگ ان کے ظاہر کو بھی نہ سمجھ سکے آپ کے لیئے اگر راقم یہ کہے کہ حضرت ابا جیؒ کے سلسلۂ عالیہ کو اگر ایک شجر سایہ دار سے تشبیہ دی جائے تو قادری صاحبؒ کی حیثیت ایسی ہے کہ جیسے کسی ''پیڑ کا تنا'' ہوتا ہے کہ اکثر بلکہ تمام ہی شاخیں اس سے پھوٹتی ہیں۔ حضرت ابا جیؒ کی اولاد اور اعزاء نیز کپورتھلہ کے بعض حضرات کے علاوہ سلسلے میں جتنے اکابر کے نام آتے ہیں صرف ایک محمد علی صاحبؒ کے علاوہ سارے کے سارے قادری صاحبؒ کے ذریعہ ہی داخل سلسلہ ہوئے ہیں۔ بلکہ ایک طور پر حضرت ابا جیؒ کی نیابت اور قادری منزل کی سربراہی قادری بھائی جانؒ کو بھی سیّد شبیر علی قادریؒ کے ہی اعلان کے ذریعہ عطا ہوئی۔ نیز سیّد باسط علی جعفریؒ، اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ، پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ، جناب احمد شفیعؒ سارے کے سارے قادری

صاحبؒ کی وساطت سے ہی داخلِ سلسلہ ہوئے۔ باقی معروف لوگ حضرت مرتضٰی شفیعؒ کی معرفت آئے ہیں۔

سیّد شبیر علی قادری نے طویل گوشہ نشینی کے بعد جب سماجی انگڑائی لی تو اُن کی مختصر محفل دوبارہ سجی اور باسط صاحبؒ نے اپنے حلقہ اثر کے تمام ہی لوگوں سے کہا کہ وہ قادری صاحبؒ کی ہی محفلوں میں شریک رہیں۔

ایک دن ایک مختصر محفل میں آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تو باسط یہاں بیٹھا گیا تھا میں اس پر مطمئن تھا اور پھر میں نے کسی کو بھی نہیں بلایا۔ سیّد صاحبؒ کو بھی سرکارؒ نے بھیج دیا اور سیّد صاحب (محمد حسین بخاریؒ) کے کہنے پر میں نے صرف مرتضٰی شفیعؒ اور فائق کو بلانا چاہا تھا۔۔۔ پہلے جو یہاں آتا تھا اس پر سرکارؒ کا کرم ہوتا تھا اب پہلے کرم ہوتا ہے بعد میں آنے والا آتا ہے۔ قادری صاحبؒ کے پاس جیسا کہ پہلے اشارہ دیا جا چکا ہے ''تین سلسلوں کی نعمت تھی'' اور اپنے آخری ایّام میں ان کو یہ نعمتیں عطا کرنے کے لیئے تین شخصیات کا انتخاب کرنا تھا۔ یہاں یہ وضاحت غیر ضروری نہ ہوگی کہ ان کی ایک نعمت تو اپنے خاندانی سلسلہ کی تھی دوسری نعمت حضرت سیّد ابوالحسناتؒ کے سلسلے کی اور تیسری سب سے بڑھ کر حضرت ابّا جیؒ کی عطا کردہ نعمت تھی۔ ان تینوں نعمتوں اور نیابت کے حوالے جو تین شخصیات ان کی نظر میں تھیں ان میں سے ایک میں تو وہ کامیاب رہے باقی دو کے معاملے میں کچھ باطنی مصلحتیں حائل رہیں۔

قادری صاحبؒ اپنے خاندانی سلسلے کی نعمت اپنے چھوٹے بیٹے ''حسنی'' کو دینا چاہتے تھے اور اس حوالے سے اکثر فرماتے تھے کہ سرکارؒ کا کرم تو سب پر ہے مگر ''حسنی'' پر جو کرم ہے وہ بے مثال ہے!۔۔۔ قادری صاحبؒ کے بڑے بیٹے

''اقبال'' تھے جن کا بچپن زیادہ تر ملیر میں باسط صاحبؒ کے ساتھ گزرا تھا وہ اکثر راتوں کو ملیر میں باسط صاحبؒ کے ساتھ ایک ہی بستر پر سوتے تھے اور باسط صاحبؒ انہیں اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جب قادری صاحبؒ نے اپنی خاندانی نعمت اور نیابت کے لیئے در پردہ حسنی کا نام تجویز کیا تو باسط صاحبؒ نے باطنی طور سے اس لیئے اتفاق نہیں کیا کہ خاندانی نعمت اصولاً بڑے بیٹے کو منتقل ہونی چاہیئے۔ اس معاملے پر کوئی ظاہری اختلاف سامنے نہیں آیا بات باطن میں ہی رہی جس کا علم شاید اقبال اور حسنی دنوں میں سے آخر تک کسی کو بھی نہیں ہوا اور نہ ہی اس راز کا کوئی دوسرا گواہ ہے مآل کار یہ ہوا کہ ''حسنی'' نے از خود یہ بوجھ اٹھانے سے گریز کیا اور بالا آخر وہی ہوا جو باسط صاحبؒ چاہتے تھے کہ قادری صاحبؒ کی خاندانی نعمت اور نیابت اقبال کا حصہ بنی اور بالا آخر اقبال قادریؒ باوا کی احسان مندی کے اعتراف میں باوا کی قبر مبارک کی صفائی کرتے ہوئے ان کے قدموں میں ہی نذرانہ جان پیش کر کے ہمیشہ کے لیئے باوا کے قدموں میں ہی سو گئے۔ ان کے بعد غالباً یہ نعمت اور نیابت ان کے بڑے صاحبزادے کو نصیب ہوئی جو آج بھی حضرت ابا جیؒ اور سیّدہ ماں جیؒ کے عرس شریف پر مزار مبارک پر چڑھائی جانے والی چادر اہتمام خاص کے ساتھ ایک جلوس کی شکل میں اپنے سر پر لے کر حاضر ہوتے ہیں اور ختم شریف کے دوران اس کو اپنے سر پر ہی اٹھائے رکھتے ہیں۔ راقم دست بہ دعا ہے کہ ان کی سعادت مندانہ روش مقبول بارگاہ ہو اور تادم آخر ان کو یہ اعزاز حاصل رہے۔

Cyan Magenta Yellow Black 20-09-13 mukhtiyar 48460

سیّدہ ماں جی رحمۃ اللہ علیہا

سیّدہ رحیم بی بی المعروف ماں جی رحمۃ اللہ علیہا

زوجہ محترمہ سیّدی اباّ جی رحمۃ اللہ علیہ

وفات

بروز ہفتہ ۱۶/ جون ۱۹۷۳ء مطابق ۱۵/ جمادی الاول ۱۳۹۳ھ

مزار شریف

جانب مشرق متصل قبرِ مبارک سیّدی ابا جی رحمۃ اللہ علیہ

بمقام

پنجابی قبرستان، ریکسر لائن، کراچی

ماں جی رحمۃ اللہ علیہا

ویسے تو باطنی اور روحانی حوالوں سے کس کا کیا مقام اور درجہ ہے یہ تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتا ہے مگر تاریخ مکمل کرنے کے لیئے ایک ہی عہد اور ایک ہی سلسلے کے بزرگان کے ذکر میں کوئی نہ کوئی ترتیب تو لکھنے والے کو اختیار کرنی ہی ہوتی ہے اس حوالے سے راقم کے نزدیک حضرت ابا جیؒ کی ہم نشینی کا شرف رکھنے والوں میں سب سے افضل اور اہم اور بے مثال ذات تو سیّدہ ماں جیؒ کی ہے کہ آپ حضرت ابا جیؒ کی شریک زیست تھیں اور آج بھی حضرت ابا جیؒ کے حجرۂ مبارک میں حضرت ابا جیؒ کے بائیں ہاتھ کی جانب آرام فرما رہی ہیں۔ جس طرح سرکار ﷺ کی امت میں تمام ہی ازواج مطہرات تمام مومنین کی ماں ہیں اسی طرح حضرت ابا جیؒ کے سلسلے میں قادر بھائی جانؒ سے لیکر تا قیامت آنے والے آخری غلام بھائی تک ماں جیؒ کو سب کی ماں ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور رہے گا۔ ماں جیؒ کے روحانی و باطنی مدارج کا احاطہ کرنا تو کجا اس کے جزوی بیان کی بھی ہم میں سے کسی کو نہ طاقت ہے اور نہ حوصلہ اس حوالے سے حضرت ابا جیؒ کے ایک ارشاد گرامی کا بیان زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابا جیؒ نے اپنے

فرزندِ ارجمند سیّدی چودھری عبدالقادرؒ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ''اگر تیری ماں جی میرا ساتھ نہ دیتی تو میں اس مقام پر نہ ہوتا''

سیّدی باسط صاحبؒ نے راقم کو بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت ابا جیؒ نے اپنے پردہ فرمانے سے چند روز قبل جب ماں جیؒ ختم شریف والے کمرے میں تشریف لائیں تو سارے غلام بھائیوں کی موجودگی میں ان کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ ماں جیؒ کی طرف بڑھا کر اور ان کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے بیچ لے کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ باسط صاحبؒ نے ہی فرمایا کہ یہ دراصل اپنے غلاموں کے سامنے ان کو گوہ بنا کر ماں جیؒ سے راضی ہونے کا آخری اعلان تھا۔

راقم کے نزدیک (اور اہل باطن کی بصیرت کے مطابق) حضرت ابا جیؒ کا راضی ہونا اللہ، رسول ﷺ ۔۔۔ اہل بیتؓ اور سرکار غوث پاکؒ کا راضی ہونا ہے۔

۱۹۷۳ء تک مسلسل دس سال عالم ظاہر میں ماں جیؒ نے غلاموں کی سرپرستی فرمائی اور آپ کے پردہ فرمانے سے قبل تک سلسلے کی ساری گروہ بندیاں بھی پردے میں رہیں۔ بعض حلقوں میں باہم اختلافات رہے مگر کھل کر سامنے نہ آئے اور سب کا رخ سلسلے کے مرکز کی ہی جانب رہا۔ ماں جیؒ کی شفقت اور دعائیں کسی بھی غلام کے لیئے کسی دوسرے غلام سے کم نہ تھیں مگر کرم و التفات کا مظاہر زیادہ تر سیّد شبیر علی قادریؒ اور اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کے ساتھ ہوتا تھا راقم جیسے ادنیٰ غلام کو تو سرکارؒ کی ذات اقدس کے

خیال میں ان (ماں جیؒ) کے استغراق کو دیکھ کر یہ شبہ ہی رہتا تھا کہ ماں جیؒ میرے نام اور ذات سے واقف ہیں بھی یا نہیں۔ راقم دوسروں کے لیئے نہیں کہہ سکتا مگر اپنے لیئے اس کا یہی خیال تھا کہ ایک مرتبہ شعبان کی پندرھویں شب جب قادری منزل پر سو سو (۱۰۰،۱۰۰) نوافل کی ادائیگی کے لیئے غلام موجود تھے ماں جیؒ تشریف لائیں اور غلام کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ پر رکھا اور فرمانے لگیں ''پُتر دیکھ سرکار کی کیسی توجہ آ رہی ہے'' بے شک ان کے قلبِ مبارک سے ''اللہ اللہ'' کی آواز آ رہی تھی۔ راقم نہیں کہہ سکتا کہ ایسا شرف کسی اور غلام کو بھی حاصل تھا یا نہیں۔

''ہر جا نئی ادا تھی کرم کے ظہور کی''

اس کرم ظاہرہ کا باطنی پس منظر یہ ہے کہ اس سے چند دن قبل ہی عالم خواب میں راقم اباجیؒ کے مزار شریف پر حاضر ہوا اور دست بستہ اباجیؒ سے پوچھا۔۔۔ اباجیؒ میں آپ کا غلام ہوں کہ نہیں؟ قبر مبارک شق ہوئی اور اباجیؒ کو بستر پر لیٹے دیکھا اور آپ نے جواباً فرمایا۔۔۔ ''میرا بیٹا واحد بیٹا''۔۔۔ راقم آج تک ''واحد'' کا مطلب نہیں سمجھ سکا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ ماں جیؒ کا ''ماں والا یہ کرم کہ غلام کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ پر رکھنا اباجیؒ کے ہی ارشاد کی توثیق ظاہرہ تھی۔

یہ مارچ ۱۹۷۳ء کی بات ہے کہ راقم ناک سے خون جاری ہونے کی ظاہرہ وجہ سے جس کے باطنی اسباب کچھ اور تھے ہسپتال میں داخل ہوا اور

۶/اپریل ۳ ۱۹۷ء کے عرس شریف میں ابا جیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر سالانہ منقبت پڑھنے سے قاصر رہا اور راقم کی لکھی ہوئی منقبت پروفیسر مرتضیٰ شفیع صاحبؒ نے چادر چڑھاتے وقت پڑھی۔ ختم شریف کے بعد ماں جیؒ نے سیّدی شبیر علی قادریؒ کو ایک بغیر سلا ہوا جوڑا عطا کیا اور فرمایا فائق جو ہسپتال میں داخل ہے اس کو یہ جوڑا پہنچا دینا۔ اوّل ماں جیؒ کا جوڑا عطا کرنا اور سیّد شبیر علی قادریؒ کے ذریعہ پہنچوانا راقم کے اوپر ماں جیؒ کا یہ آخری کرم ظاہرہ تھا کہ اس کے بعد ہی آپ نے پردہ فرمالیا تدفین کے وقت راقم موجود تھا جس نے قبر شریف میں ماں جیؒ کے اتارے جانے کے بعد جب آخری دیدار کیا تو راقم کو ماں جیؒ ایک ''سولہ سالہ حسین لڑکی کی شکل میں محوِ خواب نظر آئیں'' روایت ہے کہ مرنے والے کی عمر کچھ بھی ہو وہ جنت میں نوعمر ہی نظر آئے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

قربانِ عشق موت بھی آئی تو کیا ہوا
اُس تیرِ بے خطا کا نشانہ خطا ہوا

سیّدی حضرت چودھری عبدالقادر (بھائی جان) رحمۃ اللہ علیہ

سیّدی حضرت چودھری عبدالقادر ؒ

المعروف بھائی جان ؒ

نائب وفرزند ارجمند سیّدی حضرت ابا جی ؒ

وفات

بروز پیر ۲؍اگست ۲۰۰۳ء مطابق ۳؍جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ

مزار شریف

جانب قدوم ابا جی ؒ متصّل جنوبی دیوار روضۂ اقدس

بمقام

پنجابی قبرستان، ریکسر لائن، کراچی

سیّدنا چودھری عبدالقادرؒ

(قادر بھائی جانؒ)

آپ اباجیؒ کے فرزند ارجمند سلسلہ کے ایک لاثانی اور محکم ستون کی حیثیت رکھتے تھے جن کو اباجیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد مرکزی سربراہ کی حیثیت حاصل ہوئی۔ آپ کے باطنی مقام اور روحانی عظمت کا بیان راقم جیسے ادنیٰ غلام کی استطاعت سے باہر ہے مگر یہ بھی نہیں کہ لکھنے والا اپنی کم مائیگی اور بے بزاعتی کے احساس میں مبتلا ہو کر حق بیانی کی کوشش ہی نہ کرے بایں طور ''میرے احساس، عقیدے اور فہم وادراک کی رو سے۔۔۔وقت کی تصدیق کے ساتھ اپنے عمل وکردار کے حوالے سے۔۔۔اور سلسلہ کے اصولوں کو کماحقہ، صداقت کے ساتھ تسلیم کرکے اپنانے اور عمل پیرا ہونے کی نسبت سے قادر بھائی جانؒ سلسلہ کی بے مثال شخصیت ہیں۔ آپ نے اباجیؒ کے سلسلہ میں اباجیؒ کے بتائے ہوئے اصولوں، نصیحتوں اور طریقوں کو اپنا کر اصول کو عمل میں ڈھالنے کی جو وضع اختیار کی تھی وہ آنے والے وقت کے لیئے مشعل راہ ہے۔ راقم اس کی شرح میں آپ کے چند رویّہ اور طریقے سلسلے کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اباجیؒ کی نیابت اور قادر بھائی جانؒ

حضرت اباجیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ اگر چاہتے تو بیٹا ہونے کی

حیثیت سے دستار بندی کروا کے اپنی نیابت کا اعلان کر سکتے تھے مگر یہ خانقاہی پیری اور نیابت کا طریقہ تھا جس سے آپ نے بصد کامیابی گریز فرمایا اور سلسلے کے دوسرے غلاموں کی طرح اباجیؒ کے فیصلے اور باطنی اشارے کے منتظر رہے۔ ایسے منتظرین میں سلسلے کے بڑے بڑے لوگ بھی شامل تھے جب غلاموں کے انتظار کرنے کی طاقت جواب دینے لگی تو اباجیؒ کے سلسلے کی عظیم ترین باطنی نظر رکھنے والی ہستی سیّد شبیر علی قادریؒ نے ''در پردہ چشم یار کا اشارہ پا کر یا ظاہر نہ کیئے جانے والے کسی باطنی حکم کے مطابق قادر بھائی جان کا ہاتھ پکڑ کر بھری محفل میں ان کی نیابت کا اعلان فرما دیا اور جو حقیقت پردۂ غیب میں تھی منصۂ شہود پر آ گئی۔ قادر بھائی جان کے اس رویّہ سے اباجیؒ کے سلسلہ کے اس اصول کو تقویت پہنچی کہ یہ سلسلہ پیروں والا نہیں غلامی کا سلسلہ ہے وہ ''میں کچھ بھی نہیں کی شرح بتانا چاہتے تھے۔ کہ از خود ''بے اختیار بے ارادہ رہے اور سرکار اباجیؒ کے حکم یا اشارے پر نظر رکھ کر ایک نازک اور بڑے مرحلہ پر ''راضی بہ رضا'' کی تصویر بنے رہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہو رہی ہے کہ اباجیؒ کے سلسلے میں صاحب اجازت صرف مرکزی سربراہ ہی نہیں ہوتا بلکہ داخل سلسلہ کرنے کے لیئے اباجیؒ کی طرف سے جس کو بھی اجازت دی جائے وہ داخلے کی نوافل پڑھا سکتا ہے اور اس کا ایک ہونا یا صرف قادری منزل سے ہونا لازم نہیں ہے جیسا کہ خود اباجیؒ کی حیات ظاہرہ میں نوافل پڑھا کر داخل سلسلہ کرنے والی کئی ہستیاں تھیں حضرت اباجیؒ نے تو معدودے چند کو ہی نوافل پڑھائی ہوں گی ورنہ اکثر کو اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ اور سیّد شبیر علی قادریؒ نے ہی داخل سلسلہ کیا ہے اور اباجیؒ نے آرام باغ کی مسجد میں بعد نماز جمعہ پروفیسر

مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کو بھی نوافل پڑھانے کی اجازت دی تھی اور قادری صاحب نے تو سیّد باسط علی جعفریؒ، اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ اور پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ کو بھی خود ہی نوافل پڑھا کر داخلِ سلسلہ کیا تھا راقم کو بھی اعلیٰ حضرتؒ کے علاوہ سیّد شبیر علی قادریؒ سے بھی نوافل پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

پیرانہ طریقوں سے گریز اور قادر بھائی جانؒ

باوجود اس کے کہ تمام ہی اہلِ سلسلہ قادر بھائی جانؒ سے بے مثال عقیدت رکھتے تھے اور ان کی مرکزی حیثیت کے آگے صاحبِ اجازت ہونے کے باوجود سرنگوں رہتے تھے مگر قادر بھائی جانؒ نے اپنے قول و فعل و عمل سے خود کو سربراہِ سلسلہ ظاہر کرنے کے بجائے ادنیٰ غلام اور غلاموں کا خدمت گزار و دعا گو ہی سمجھا۔ وہ اکثر فرماتے تھے کہ میرا کام قادری منزل آنے والوں کی خدمت کرنا ہے۔ قادر بھائی جانؒ کے پیشِ نظر ابّا جیؒ کا یہ ارشاد رہا کہ میرے سلسلے میں جو پیر بنے گا فیض اس سے آگے نہیں بڑھے گا بلکہ اس پر ہی ختم ہو جائے گا اور آج کا دن گواہی دے رہا ہے کہ ابّا جیؒ کا فیض قادر بھائی جانؒ سے یقیناً آگے بڑھا اور انشاءاللہ بڑھتا رہے گا کہ ان کے بعد مرکزی سربراہی ان کے چھوٹے بیٹے کو اور پھر چھوٹے بیٹے کے بڑے فرزند کو عطا ہوئی جس سے اہلِ عقیدت آج بھی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ قادر بھائی جانؒ نے پوری زندگی ہر ہر زاویہ سے خانقاہیت اور پیرانہ طریقوں سے سخت گریز کیا اور ایسا گریز کہ دیگر صاحبانِ اجازت کے حلقوں میں کہیں اس کی مثال نہیں ملتی اس حوالے سے قادر بھائی جانؒ کے بعد اگر کوئی دوسرا نام لیا جا سکتا ہے تو وہ سیّد باسط علی جعفریؒ کا نام ہے ورنہ دست بوسی پابوسی، نذرانہ اور تحائف دیگر اکابرین کے حلقوں میں کسی نہ کسی حد تک قابلِ قبول رہے ہیں۔

دست بوسی اور قادر بھائی جانؒ

دست بوسی کے حوالے سے جیسا کہ ایک مرتبہ سلسلہ کی متوقع ذمہ داری سے بچ جانے کے بعد روفی بھائیؒ نے بطور تشکر کہا تھا کہ ''مجھ کو اباجیؒ نے دست بوسی اور پابوسی کروا کے گنہگار ہونے سے بچالیا۔۔۔راقم کا رویّہ بھی جوشِ جذبۂ عقیدت کے باوجود اصول کی پاسداری میں یہی رہا ہے کہ خود تو کجا دوسروں کی دست بوسی کے شرف سے خود کو بھی ہمیشہ محروم رکھا صرف ایک مرتبہ ایسا جوش چڑھا کہ قادر بھائی جانؒ کا ہاتھ پکڑ کر پوری طاقت سے دست بوسی کی کوشش کی مگر واہ رے اصول پسند رویّے کہ قادر بھائی جانؒ نے نہایت سختی کے ساتھ سخت مزاجی اور ترش روئی کا الزام لینا قبول کیا مگر دست بوسی نہ کرنے دی اور اس کے بعد بھی آخر تک راقم نے بھائی جانؒ کو اس معاملے میں ہمیشہ ہی محتاط پایا۔

نذرانے اور قادر بھائی جانؒ

قادری منزل پر اُس دور سے لے کر آج تک نذرانہ قبول کرنے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے اگر کبھی کوئی شخص جوش عقیدت میں مٹھائی وغیرہ لے کر بھی حاضر ہوتا تو قادر بھائی جان اس کو ختم شریف کے تبرک میں شامل کر کے غلاموں میں ہی تقسیم فرما دیتے تھے اور آج بھی ان کے پوتے ربانی میاں کا بھی یہی محتاط انداز ہے۔ اگر کوئی پھولوں کا ہار بھی ان کے گلے میں ڈالے تو وہ غلام کی دل آزاری مزاحمت سے نہیں کرتے مگر وہ ہار اباجیؒ یا ماں جیؒ کی قبر پر سجا دیتے ہیں۔ آج معاشی ابتلا کے دور میں بھی شاید قادری منزل کے علاوہ کوئی دوسری منزل ایسی نہیں ہے جس میں نذرانہ اور تحفے قبول نہ کرنے کا

سخت گیر رویہ نظر آئے۔ اور اس بات کا اعزاز بھی قادر بھائی جانؒ کو ہی حاصل ہے کہ انہوں نے وابستگان کا ایک بڑا حلقہ رکھنے کے باوجود ''پیر بننے سے گریز کر کے سلسلے کے بنیادی اصول کو مستحکم کیا ہے۔

کسب حلال اور قادر بھائی جانؒ

جہاں نذرانہ قبول کیا جاتا ہے وہاں محنت کی روزی کمانے کا اصول نظر انداز ہو جاتا ہے اس معاملے میں بھی راقم کی نظر میں قادر بھائی جانؒ کے علاوہ صاحبان اجازت میں صرف سیّد باسط علی جعفریؒ اور ایک خاص حد تک پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ مرحوم دو ہستیاں تھیں جو غلاموں سے نذرانہ قبول کرنے کے بجائے خود غلاموں کی مالی مدد میں کوشاں رہتے تھے مگر بھائی جانؒ کی ذات اس نسبت سے بھی منفرد تھی کہ انہوں نے مال بردار ٹرک پر مال برداری اور مزدوری کر کے کمانے سے۔۔۔ افغان بینک کے شیئر ہولڈر اور جی۔اے شپر کے مالک ہونے کی حد تک ہمیشہ کسب حلال کی جدوجہد کر کے محنت کی کمائی پر خاص توجہ مرکوز رکھی اور یہی رویّہ ان کے بیٹے اور پوتے کا بھی رہا ہے۔

برادری/انوکھا سلسلہ اور بھائی جانؒ

حضرت ابّا جیؒ نے خانقاہی مزاج والے لوگوں کی زبان بندی کے لیئے ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ قیامت تک قائم رہنے والا میرا یہ انوکھا سلسلہ دراصل ایک برادری ہے۔ مراد یہ تھی کہ سرکار غوث پاکؒ کے نام لیوا غلام جو دنیا و آخرت کی فلاح و خیر کے طالب ہوں وہ باہم ایک دوسرے کو بھائی سمجھ کر اور ابّا جیؒ اور ماں جیؒ کو ماں باپ کی طرح جان کر مریدوں کی طرح نہیں بلکہ بیٹوں کی طرح دینی اور مسلکی وحدت میں اس طرح منسلک رہیں کہ خانقاہی نظام کی

محض روایتی باتوں سے بچ کر حقیقی عبدیت کی راہ پر گامزن ہوسکیں ابا جیؒ کے اس مقصد کو آپ کے ہم نشینوں نے حسب استطاعت جو وضع اختیار کی وہی دراصل سلسلہ کا مزاج بنا اور اس حوالے سے بھی قادر بھائی جانؒ کا کردار مثالی رہا کہ ان کا رویہ اور قادری منزل پر حاضر ہونے والے غلاموں سے برتاؤ وہی تھا جو بھائی کا بھائی کے ساتھ ہونا چاہیئے وہ ہر ختم شریف میں با آواز بلند غلام بھائیوں کی خیر و سلامتی کے لیئے ہمیشہ دعائیں مانگتے تھے۔

صاحبان مراقبہ معتبر آنکھ والے ایک غلام بھائی نے راقم کو بتایا کہ راہ، معرفت میں ایک ایسا مقام ہے جہاں کاملین اولیا اپنے اپنے خیمہ میں تنہا جلوہ افروز ہیں حتیٰ کہ سیّدی غوث پاکؒ بھی اپنے خیمے میں اکیلے ہی ہیں۔۔۔مگر حضرت ابا جیؒ وہ واحد فقیر کامل ہیں جو سیّد الاشراف کے لقب کے ساتھ اپنے خیمہ میں اپنے گیارہ غلاموں کو ساتھ لیئے ایک برادری کی شکل میں جلوہ فرما ہیں۔۔۔معلوم نہیں کہ یہ گیارہ حضرات ہی خاص ہیں یا تعداد مخصوص ہے اور لوگ بدلتے رہتے ہیں۔ ''واللہ اعلم''

میں کچھ بھی نہیں اور بھائی جانؒ

ابا جیؒ کے فرمائے ہوئے یہ چار لفظ ''عبدیت کاملہ'' کا اجمال ہیں۔ اسلام ایمان، عقیدہ اور عبدیت وعبادت کا بنیادی نقطہ صرف اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ ''کبر'' اللہ کے لیئے اور ''عجز'' بندہ کے لیئے ہے۔ گمراہی، شرک، کفر، ارتداد، منافقت اور ساری خرابی شروع وہیں سے ہوتی ہے جب ''کبر اللہ کے علاوہ غیر سے وابستہ کر کے بندہ عاجزی کے مقام سے ہٹ جائے پہلی مردودیت گمراہی اور شیطنت کا آغاز اسی نقطہ سے ہوا کہ عزازیل خود کو عاجز کے بجائے اکبر سمجھا ''اَبٰی وَسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ

الُــگــافِــرِیْن '' کہ اس نے خود کو اکبر جانا اور وہ کافر ہو گیا۔ سرکار دو عالم کی شان یہ تھی کہ آپ خود کو ''عبد عاجز'' جاننے پر فخر فرماتے تھے سو آپ رحمت اللعالمین اور شفیع المذنبین ہوئے۔

حضرت ابا جیؒ نے اپنے غلاموں کے لیئے یہی ورد تجویز فرمایا کہ میرا ماہی صلی علی، میں کچھ بھی نہیں ۔۔۔شاید اظہار عجز کے لیئے کوئی بھی دوسرا بیان ''میں کچھ بھی نہیں'' سے زیادہ معتبر نہیں ہوسکتا اور یہ اصول عجز چونکہ سرکار ﷺ نے اپنایا تھا اسی لیئے ابا جیؒ نے ''میں کچھ بھی نہیں'' سے پہلے ''میرا ماہی صلِ علیٰ'' کہنا لازم فرمادیا۔ سلسلے کے تمام ہی لوگ اس ارشاد کا ورد رکھتے ہیں مگر یہ احساس جن غلاموں کے نفوس میں پیوست ہو کر نفیٔ ذات کی تصویر بن چکا ہے ان میں قادر بھائی جان اپنے قول و عمل کے ذریعہ سب سے آگے دکھائی دیتے ہیں اور آج بھی یہ ورد قادری منزل کی مرکزی سربراہی کا خاصہ ہے۔

''میرا ماہی صلی علیٰ میں کچھ بھی نہیں'' کا ورد سیّدی ابا جیؒ نے کس طرح کب اور کس پس منظر میں اپنایا اس کا علم اس وقت موجود شاید دو چار لوگوں کو ہی ہو گا۔ سلسلہ کی تاریخ کو معتبر اور معلومات افزا بنانے کے لیئے راقم عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔۔۔ جب حضرت ابا جیؒ کو سرکارؐ کی طرف سے نعمت اور اختیارات جو ازل سے آپ کے پاس تھے عالم ظاہر میں عطا کیئے گئے تو جو آپ کی زبان مبارکہ سے نکلتا حق ہو جاتا تھا یا زبان سے صرف وہی نکلتا جو حق ہوتا آپ کے اسی ابتدائی دور میں ایک شخص نے آکر اپنی مالی پریشانیوں کا رونا رو کر آپ سے ''سٹے کا نمبر'' دریافت کیا۔ شانِ کرم جوش میں آئی اور آپ نے نمبر بتا دیا اس شخص نے آپ پر اعتماد کر کے بڑی رقم ''سٹے'' پر لگا دی اور اس سے بڑی

دولت کمائی وہ لے کر متعلقہ شخص آپ کے حضور بحیثیت شکر گزار حاضر ہوا اور کمائی ہوئی دولت آپؒ کی نذر کرنی چاہی جسے قبول کرنے سے آپ نے انکار تو فرما دیا مگر مشیّت نے غلاموں کو سبق دینے کے لیئے عطائے خاص کا انداز بدل دیا اور ابا جیؒ کی طبیعت خراب ہوگئی ذکرِ خفی بھی معطل ہوگیا اور ابا جیؒ کی صحت گرتے گرتے ایسی ہوگئی جیسے کہ وقت آخر آگیا ہو۔۔۔اسی عالم میں ایک بزرگ ہستی کی تشریف آوری ہوئی انہوں نے ابا جیؒ کی حالت بحال کی اور اپنا نام بتائے بغیر یہ کہہ کر رخصت ہوگئے کہ میں ایک بار پھر آوں گا۔۔۔کون تھے جو نئی زندگی دے گئے اور ایک بار پھر آنے کا اعلان بھی کر گئے؟ ابا جیؒ اور آپ کے مقربین میں کسی نے وضاحت نہیں کی یہ کون بزرگ تھے۔۔۔"راقم اس سوچ میں ہے کہ نئی زندگی دینا اور ایک یا پھر واپس آنا تو ایک ہی ذات کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔"

واہ رے شانِ مسیحائی!

ابا جیؒ کے سلسلہ میں خاص کر آپ کے ہم نشینوں اور صحبت یافتگان میں مدارج و مراتب کا تعین کسی غلام کے بس کی بات نہیں مگر قریبی مشاہدہ اور صداقتِ فہم و فکر یہی کہتی ہے کہ سیّدی قادر بھائی جانؒ، سیّدی شبیر علی قادریؒ اور سیّدی باسط علی جعفریؒ "میں کچھ بھی نہیں" کے حوالے سے سب سے آگے ہیں اور ان میں عالم ظاہر کی شوکت و سطوت کے ساتھ اپنی کامل نفی قادر بھائی جانؒ کا ہی اعزاز ہے۔۔۔راقم چند سطور میں جرأت رندانہ کے ساتھ بصد معذرت قادر بھائی جانؒ کی اور ان کے صاحبزادہ ثانی بھائی جان کی "نفی ذات" کی نسبت سے ایک وصیت بلکہ اس کی تعمیل سے اختلاف کرتا ہے۔قادر بھائیؒ اور ثانی بھائیؒ دونوں نے اپنے وقت آخر میں اپنی تدفین کے حوالے سے وصیت کی تھی کہ ان کی قبور پر ان کے ناموں کی تختی بھی نہ لگائی جائے یہ "نفیٔ ذات کی انتہائی آخری حد

ہے''۔ان دونوں بزرگ ہستیوں کی ذات تک تو یہ ارشاد ''کسر نفسی'' کی تعریف میں آتا ہے مگر راقم کے نزدیک پسماندگان پر اس حکم کی تعمیل لازم نہیں ہے کہ ''میں کچھ بھی نہیں'' کا اطلاق آخری سانس کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔۔۔ ''یہ نفی'' نفس کی حد تک تو اچھی بات ہے مگر روح پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا کہ عالم فانی سے گزرنے کے بعد غلام ''میں کچھ بھی نہیں'' کے بجائے ''صلی علیٰ'' کے پرتو میں آجاتا ہے جس کی نفی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر یہ نفی بھی درکار ہوتی تو سب سے پہلے ابا جیؒ اور ماں جیؒ کی طرف سے بھی ایسی ہی وصیت ہوتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ آج ابا جیؒ اور ماں جیؒ کے روضۂ اطہر پر ''میرا ماہی صلی علیٰ'' کا کتبہ اور طغرہ تو آویزاں ہے ''میں کچھ بھی نہیں'' کا طغرہ نہیں ہے۔

چنانچہ موجودہ سربراہ سلسلہ سے راقم کی درخواست ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کو قادر بھائی جانؒ اور ثانی بھائی جانؒ کی قبور کی نشاندہی سے محروم نہ ہونے دیں اور ابا جیؒ اور ماں جیؒ اور سرکارؒ کی قبور کی طرح وہاں بھی ناموں کی تختیاں نصب کروا کر آنے والی نسلوں پر احسان کریں۔

براہ راست نسبت اور قادر بھائی جانؒ

ابا جیؒ کے سلسلے کی ایک خاص بات اور امتیاز یا انوکھا پن یہ ہے کہ دیگر روحانی سلاسل کے برخلاف نہ تو کوئی نسبتی شجرہ ابا جیؒ سے پہلے ہے اور نہ آپ کے بعد آپ کے سیکڑوں سال بعد بھی جو غلام داخل سلسلہ ہوگا اس کا تعلق نوافل پڑھا کر داخل سلسلہ کرنے والے صاحب اجازت کے ذریعہ براہ راست سرکار ابا جیؒ سے ہوگا درمیان کی تمام کڑیاں غائب ہوں گی اس اصول کی پاسداری میں اور اس کو اپنانے میں بھی راقم کو قادر بھائی جانؒ اور باسط صاحبؒ دو ہی ہستیاں نمایاں نظر آتی ہیں کہ سیّد شبیر علی قادریؒ، سیّد نظام الدین قادریؒ، جناب مرتضیٰ شفیعؒ اور جناب

عشرت الحسن برنی صاحبؒ کے موجودہ حلقوں میں کچھ نہ کچھ خانقاہی آداب کی جلوہ فرمائی ضرور نظر آتی ہے۔ جہاں وساطتوں اور وسیلوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اس حوالے سے اگر قادر بھائی جانؒ کے قول و فعل اور غلاموں سے آپؒ کے برتاؤ کا جائزہ لیا جائے تو یہاں بھی قادر بھائی جانؒ براہ راست نسبت کو اپنانے اور خانقاہی طریقوں سے دور رہنے میں سرفہرست ہیں۔ اس وقت قادری منزل پر سربراہی ابا جیؒ کے بیٹے کے پوتے اور پوتے کے بیٹے ''ربانی میاں'' کے پاس ہے مگر قادر بھائی جانؒ کے حسن تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج قادری منزل پر ابا جیؒ کی چوتھی اور پانچویں پشتِ بھی ابا جیؒ کو دادا، پردادا، نہیں بلکہ ابا جیؒ ہی کہتی ہے اور ربانی میاں اپنے مرحوم والد ثانی بھائی کی طرح ہر آنے والے غلام کا رشتہ براہ راست ابا جیؒ سے ہی جوڑ دیتے ہیں ہر چند کہ ربانی میاں کی شخصیت کی تعمیر اور پرورش میں قادر بھائی جانؒ کی محبت اور توجہ کا بڑا دخل ہے مگر ربانی میاں اس احسان و قرب کو اپنی ذات تک محدود رکھتے ہیں آنے والے غلام اور ابا جیؒ کے درمیاں حائل نہیں ہونے دیتے۔ سرکار ابا جیؒ سے غلام کی ابد تک قائم رہنے والی براہ راست نسبت کو استحکام دینے کا سہرا بھی قادر بھائی جانؒ کے ہی سر ہے اور اس کے معترف تمام ہی اہل سلسلہ ہیں باوجود اس امر کے کہ قادری منزل پر ان کی ظاہرہ حاضری کی راہ میں بعض نادیدہ قوتیں حائل ہیں جن کا راقم کو پوری طرح سے علم ہے۔

راقم نے اپنے ایک شعر میں قادر بھائی جانؒ کے لیئے اظہار خیال یوں کہا ہے۔

اَب عالمِ بقا میں ہیں اور لازوال ہیں
وہ اہلِ سلسلہ کے لیئے اک مثال ہیں

فائق بدایونی

سیّدی حضرت چودھری احسان قادر رحمۃ اللہ علیہ

سیّدی حضرت چودھری احسان قادر رحمۃ اللہ علیہ

نائبِ حضرت ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ

فرزندارجمند چودھری عبدالقادر بھائی جان رحمۃ اللہ علیہ

وفات

بروز ہفتہ ۴؍جولائی ۲۰۰۹ء مطابق ۱۱؍رجب ۱۴۳۰ھ

مزار شریف

جانب قدوم ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ متصّل جنوبی دیوار روضۂ اقدس

بمقام

پنجابی قبرستان، ریکسر لائن، کراچی

چودھری احسان قادرؒ
(ثانی بھائیؒ)

قادر بھائی جانؒ کے پردہ فرمانے کے بعد قادری منزل پر مرکزی سربراہی اور اباجیؒ کی براہ راست نیابت قادر بھائی جان کے چھوٹے بیٹے اور اباجیؒ کے پوتے موجودہ سربراہِ سلسلہ ربانی میاں کے والد بزرگوار حضرت چودھری احسان قادرؒ المعروف ثانی بھائی کو عطا ہوئی۔ آپ کا نام ''احسان'' تھا اور از راہ محبت تصغرہ کر کے اس کو ''سانی'' کہا گیا جس کو ''س'' کے بجائے ''ث'' سے لکھا جانے لگا اور وہ اباجیؒ کی آل میں لاثانی ہونے کے باوجود ''ثانی'' کہلائے عمر کے حوالے سے راقم نے ثانی بھائی کو ان کی جوانی بلکہ نوجوانی کے زمانہ سے دیکھا تھا وہ خاموش طبع۔ نسبتاً کم گو بردبار اور سنجیدہ و متین طبیعت کے مالک تھے راقم کو خوب یاد ہے کہ جب وہ بی۔ کام کے طالب علم تھے تو ان کا امتحانی مرکز وفاقی گورنمنٹ اردو کالج تھا جہاں راقم پروفیسر کی حیثیت سے کمرۂ امتحان کا نگراں تھا جہاں وہ امتحان دے رہے تھے۔ جب ان پر نظر پڑی میں فوراً ان کی سیٹ پر ان کے پاس گیا اور دوران گفتگو ان کو ہر قسم کی معاونت کا اشارہ بھی دیا مگر واہ رے اباجیؒ کے خون کی صداقت کہ انہوں نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کسی بھی معاونت کا انکار کر دیا اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد ان کے عمل و نیت کی صداقت کا

اظہار تھا کہ وہ ڈھلتی ہوئی طفلی اور چڑھتی ہوئی جوانی میں بھی ایک پرہیزگار نوجوان تھے۔ ان کو سلسلے کی سربراہی عطا ہونے کے بعد احساس ذمہ داری نے اور زیادہ سنجیدہ اور بردبار کر دیا تھا وہ جب بھی مزار شریف پر جاتے ماں جیؒ اور ابا جیؒ کی قبور کے درمیان دونوں کے قدموں میں بیٹھ کر مراقبہ کرتے تھے۔ میری اور ان کی ظاہرہ ملاقتیں آخری زمانے میں کم اور خاص خاص مواقع کی نسبت سے تھیں ایک مرتبہ جب میں مزار شریف پر حاضری کے لیئے گھر سے نکلا تو راستے میں خیال آیا کہ شاید ثانی بھائیؒ سے ملاقات ہو جائے۔۔۔ جب مزار شریف پہنچا تو دیکھا کہ آپ حسب طریق دونوں مزارات کے بیچ جانب قدوم آنکھ بند کئے بیٹھے ہیں وہ نہ جانے کیا دیکھ رہے تھے مگر میں ان کو دیکھ رہا تھا۔ جب آنکھ کھولی مصافحہ کیا اور مل کر خوشی کا اظہار فرمایا اور کہنے لگے کہ میں نے ابا جیؒ سے ابھی یہی عرض کیا تھا کہ ابا جیؒ اپنے کسی پرانے غلام سے ملاقات کروادیں تو ابا جیؒ نے آپ کو بھیج دیا۔۔۔ جب روفی بھائیؒ کی تدفین اور سوئم میں ملاقات ہوئی تو بھی بڑی محبت سے ملے۔

اب ابا جیؒ کے مزار پر جب حاضری کے لیئے جاتا ہوں تو دروازے میں داخل ہونے سے قبل دائیں جانب قادر بھائی جانؒ کے اور بائیں جانب ثانی بھائیؒ کے مزارات کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا ہے جیسے کہ ابا جیؒ نے اپنے مزار پر حاضری دینے والوں کے لیئے دروازہ کے دائیں بائیں خوش آمدید کہنے کے لیئے دو برگزیدہ ہستیوں کو مقرر فرما دیا ہے کہ جیسے دونوں قادری منزل، آنے والوں کے لیئے دعا گو تھے۔ آج مزار شریف پر حاضری دینے والوں کے لیئے ہیں۔

سیّدی حضرت چودھری غلام ربّانی مدظلہ العالی

سیّدی حضرت چودھری غلام ربّانی مدظلہ العالی

نائبِ حضرت ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ

فرزندارجمند چودھری احسان قادر رحمۃ اللہ علیہ

ولادت

بروز ہفتہ ۱۸؍مئی ۱۹۷۴ء مطابق ۲۵؍ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ

رہائش

قادری منزل، رہائش گاہِ حضرت ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ

رنچھور لائن، کراچی

حضرت چودھری غلام ربّانی مدظلہ العالی

(موجودہ مرکزی سربراہِ سلسلہ)

ربّانی میاں ابا جیؒ کے بیٹے کے پوتے اور پوتے کے بیٹے قادری منزل پر سلسلہ کے تیسرے سربراہ ہیں اپنے دادا قادر بھائی جانؒ سے خصوصی محبت و عقیدت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ شاید یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ وہ باپ سے زیادہ داد سے محبت کرتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ دادا سے بھی زیادہ اپنے پردادا سے مانوس ہوں کہ وہ پردادا ہونے کے علاوہ ''ابا جیؒ'' بھی ہیں۔ ابا جیؒ نے ان کو یہ شرف عطا کیا ہے کہ وہ جس کو چاہیں داخل سلسلہ فرمالیں اور ابا جیؒ سرکار اس کو غلامی عطا کردیں۔

ربّانی میاں کی عمر ابھی چالیس سال ہونے والی ہے مگر چالیس سال والی عمر کی ذمہ داریاں پہلے سے ان کے سپرد کردی گئی ہیں۔ ابھی تو آغاز بہار ہے جو خوش نصیب ہیں وہ چالیس سال مکمل ہونے پر دیکھیں گے کہ سلسلہ کی بہار اپنی بہار پر ہوگی۔

اُس سحر کے شام کے اور فیضِ ساقی کے نثار
اُس چمن کی آرزو ہے ان بہاروں کا خمار

مجھے یقین ہے ''جو میرے بعد جیں گے بہار دیکھیں گے'' میں اپنے اور ربانی میاں کے مابین محبت کا ایک مضبوط رشتہ محسوس کرتا ہوں۔ پہلے سوچتا تھا کہ

دھواں اٹھا تھا اِدھر سے پہلے کہ برق چمکی اُدھر سے پہلے

مگراب یہ سوچ ختم ہوگئی ہے۔اور یہ خیال پختہ تر ہوگیا ہے کہ ''آقا کے کرم کو اپنا احساس وعمل قرار دینا غلط ہے دنیا ہو کہ دین جو عطا ہوتا ہے وہ سرکارؒ کی ہی طرف سے ہے۔اور ابا جیؒ کے ارشاد کے مطابق غلامی کے رشتہ تو ازل سے ہی طے شدہ ہیں میں زیر نظر تحریر میں ربانی میاں کے ذکر کو طول نہیں دوں گا میری دعا ہے کہ سرکارؒ ان کی عمر کو طول دیں اوران کے ذریعہ اپنے لطف وکرمِ خاص کو عام کریں ربّانی میاں کی موجودہ عمر اور تجربہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام غلاموں خاص کر ابّا جیؒ کے سلسلے کے مختلف حلقوں کے لیئے ان کی بالغانہ نظر محبت آمیز رویّہ ،دعا اور خیر خواہی اور ہر قسم کے تعصب سے بالا تر ہوکر دعا گو رہنا خود سرکارؒ کے کرم کا ظہور اور ابّا جیؒ کی کرامت ہے۔جس کے پیچھے قادر بھائی جانؒ کی کوشش،تربیت اور دعائے خاص صد قابل تعریف وتشکر ہے اس کا بھرپور احساس خود ربّانی میاں کو بھی ہے۔راقم صرف عمر میں بڑا ہونے کی حیثیت سے ان کی اور ان کی بیگم اور تینوں بچیوں کی دارین میں فلاح وکامرانی کے لیئے دست بہ دعا ہے کہ کسی بھی سلسلہ کے سربراہ کی دنیاوی بہار اہل سلسلہ کے لیئے دنیا وآخرت میں بہار کا موجب ہوتی ہے۔

اللہ کرے فضل و کرم اور زیادہ

اس دعا کے ساتھ ہی نہایت اختصار کے ساتھ راقم چند چھوٹی چھوٹی ایسی باتوں کے بیان کی بھی جرأت کررہا ہے جن کی اصلاح قادری منزل کی روایات کے حوالے سے بھی ضروری ہے اور جن میں سے کسی کی بھی ذمہ

داری ربانی میاں پر نہیں آتی۔

- مسند کے لیئے قادری منزل پر ایک جگہ ماں جیؒ اور قادر بھائی جانؒ کے زمانے سے مخصوص ہے مگر ابتدأ اس کی تخصیص سرکارؒ کے حوالے سے تھی کہ مسند نشینی غلام کو زیب نہیں دیتی اور آج بھی ربانی میاں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ بالعموم غلاموں کے ساتھ اس مسند سے ہٹ کر بیٹھتے ہیں۔
- دست بوسی کے حوالے سے ربانی میاں کا رویّہ اصولی ہے مگر بہت سے آنے والے اس کو موجب ثواب سمجھتے ہیں۔

قادری منزل پر بوقت ختم کعبہ شریف سے رخ بدل کر بغداد شریف کی طرف رخ کرنا بھی ربانی میاں کو ایک سماجی ورثہ کے طور ملا ہے! نہ جانیں اس کا آغاز کب اور کیسے ہوا کہ اباجیؒ اور ماں جیؒ کے زمانے تک اور خود قادر بھائی جان بھی نماز کے ہی رخ پر ختم شریف پڑھتے تھے۔

ایک مقبول بند

دعا یہ ہے کہ مجھ کو میرے سرور دیکھتے رہنا
چلوں جس راہ پر تم بن کے رہبر دیکھتے رہنا
لحد میں، نزع میں اور روز محشر دیکھتے رہنا
کوئی دیکھے نہ دیکھے تم برابر دیکھتے رہنا

ابد تک کرتے رہنا ہر طرح سے میرے نگرانی
کرم یا اباجیؒ یا شمعِ بزمِ شاہِ جیلانی

فائقؔ بدایونی

سیّد شبیر علی قادریؒ

قادری منزل کی مرکزی سربراہی اور ابّا جیؒ و ماں جیؒ کی تین نسلوں کا ذکر مکمل ہونے کے بعد راقم کے نزدیک جو سب سے پہلے اور غلاموں میں سب سے اہم بزرگ و برتر قابل ذکر شخصیت ہے وہ سیّد شبیر علی قادریؒ کی ہے کہ آپ حسنی سیّد، سرکار غوث پاکؒ کی اولاد اور ابّا جیؒ کے عاشقِ صادق اور کراچی میں ابّا جیؒ کے سلسلے کے قیام میں اہم کردار ادا کرنے والی شخصیت ہیں۔ آپ کو دیگر تمام اہل سلسلہ میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ کو داخل سلسلہ کرنے کے لیئے ابّا جیؒ خود لے کر آئے تھے اور ابّا جیؒ نے بذات خود آپ کو داخل سلسلہ ہونے کی نوافل پڑھائی تھیں نیز یہ کہ اس کے بعد ابّا جیؒ کی حیات ظاہرہ میں آپ ہی نے سلسلہ کے دیگر اکابرین کو نوافل پڑھا کر ابّا جیؒ کے حضور پیش کر کے سرکار غوث پاکؒ کی براہ راست غلامی کا شرف عطا کروایا ہے۔

قادری صاحب کی شخصیت اس حوالے سے اور زیادہ محترم ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی پیری مریدی کے آداب کے ساتھ گزاری تھی کہ ان کے والد صاحب حضرت محمد علیؒ احمد آباد کے ایک معروف پیر تھے اور وہاں کے اکثر بڑے تجاّر اُن کے مرید تھے۔ قادری صاحب کے والد مرحوم کی تین خصوصیات ایسی ہیں جن کا اس دور میں تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔

❁ پہلی بات یہ کہ آپ اپنے عہد آخر میں شکل و شباہت کے لحاظ سے حضرت غوث پاکؒ کے ہم شکل ہو گئے تھے۔ یہ بات حضرت ابّا جیؒ

سیّدی حضرت شبیر علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد شبیر علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

نائبِ سیّدی حضرت ابا جی رحمۃ اللہ علیہ

فرزندار جمند سیّد محمد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

وفات

بروز اتوار ۲۵ جنوری ۱۹۷۶ء مطابق ۲۳ محرم ۱۳۹۶ھ

مزار شریف

پنجابی قبرستان، ریکسر لائن، کراچی

نے بھی بتائی تھی اور باطنی آنکھ والوں نے دیکھا بھی تھا۔ ابا جیؒ کے عرس کے موقع پر جب آپ تشریف لائے تو اُس زمانہ میں قبرستان میں پڑی ہوئی پتھر کی ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ قبروں کی دیکھ بھال کرنے والے ضعیف بڑے میاں نے ان کو دیکھ کر راقم سے کہا کہ یہ تو روزانہ آدھی رات ابا جیؒ کے پاس آیا کرتے ہیں۔ اس سیدھے سادھے بوڑھے کو یہ بھی اندازہ نہ ہوسکا کہ اتنے معمر آدھی رات کو اکیلے کیسے آسکتے ہیں! مگر وہ اپنی دانست میں سچ کہہ رہا تھا کہ وہ بھی شباہت میں تفریق نہ کرسکا۔

- دوسری بڑی بات آپ کی یہ ہے کہ آپ نے ظاہر و باطن میں ایک معروف ''پیر'' ہونے کے باوجود جب ابا جیؒ کے پاس حاضری دی تو اپنے منصب سے دستبرداری اختیار کر کے سب کچھ ابا جیؒ کے حوالے کردیا اور گوشہ گیر ہوگئے۔
- تیسرا اعزاز آپ کا یہ تھا کہ جب آپ ابا جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ابا جیؒ کھڑے ہو کر آپ کو خوش آمدید کہتے۔ بعض لوگوں کے استفسار پر ابا جیؒ نے فرمایا کہ میں ان کے آنے پر اس لیئے اٹھ کر استقبال کرتا ہوں کہ وہ بالکل غوث پاکؒ کی شکل ہیں۔

بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی آغوش کی پروردہ اور ایسی شخصیت کی تربیت یافتہ نیز اپنی ذات میں فقیر کامل ہونے والی ہستی کیسی ہوگی۔ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جن کو سیّد شبیر علی قادریؒ اور ان کے والد صاحب کی صحبت نصیب ہوئی۔ قادری صاحبؒ سے متعلق بھی تین رمزیاتی باتیں راقم کے ذہن میں ہیں ان میں سے دو باتیں قادری صاحبؒ نے راقم سے عالم

ظاہر میں کہی تھیں اور ایک عالم خواب میں۔ یہ باتیں کس مقامِ والا فقیر کہہ سکتا ہے اس کو تو چھوڑ یئے صرف ان کو سمجھنے کے لیئے جس مقام کا آدمی ہونا چاہیئے راقم کو تو اس کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

ایک دن راقم کے کسی استفسار پر آپ نے فرمایا ''نفس ہی روح ہے'' اس کو موٹا کرو خوب موٹا کرو''۔۔۔ یہ بات وہی ہستی کہہ سکتی ہے کہ جس کا ''نفس''، ''امّارہ اور توّامہ'' کی منزلوں سے گزر کر ''مطمئینہ'' کے اُس مقام پر فائز ہو جہاں اللہ سے وہ راضی ہو اور اللہ اس سے راضی ہو کر اس کو اپنی عبدیت اور اپنی جنت میں داخل فرمائے ''حیات ظاہرہ میں نفس کا ایسا طیّب و طاہر ہو جانا کہ اس میں اور روح میں تمیز ہی نہ رہے اور وجود خود نعرہ زن ہو کہ ''**نفس ہی روح ہے اس کو موٹا کرو! خوب موٹا کرو**''!

- دوسری حیران کن بات جو راقم نے قادری صاحب سے سنی وہ ان کا یہ ارشاد کہ اب میں لوگوں میں تفریق نہیں کرتا ''**میرے نزدیک سارے انسان برابر ہیں**''! ہے کوئی جو اس جملے کی شرح کر سکے؟ وہ کونسا مقام ہے جہاں ہندو مسلمان عیسائی یہودی اچھے برے، نیک اور بد سارے ہی انسان برابر نظر آئیں ایسی مساوات کس مقام سے نظر آتی ہے؟ واللہ اعلم بالصّواب''۔
- متذکرہ بالا دو عالم ظاہر کی باتوں کے علاوہ تیسری بات ''جو عالمِ ظاہر میں کفر و شرک ہو جائے'' عالم باطن میں ہی کہی جا سکتی تھی۔ راقم نے

دیکھا کہ وہ بلندی پر جیسے پرواز کررہا ہے یا چل رہا ہے کہ دائیں جانب غالباً ایک قالین پر چند لوگ موجود ہیں اور مسند پر قادری صاحبؒ بڑی رعب داب والی شکل میں تشریف فرمائیں راقم نے ٹھہر کران کی طرف دیکھا تو انہوں نے فرمایا ''میں ہی قادر ہوں میں ہی عبدالقادر''۔۔۔اب آپ ہی بتائیے کہ وہ غلام جو سرکارؒ کا نام بھی بے وضو نہ لیتا ہوا اس ارشاد کی کیا تشریح کرسکتا ہے۔

اس کو انگور ہی میں رہنے دو
کیوں کھچے کیوں حرام ہوجائے

سیّد شبیر علی قادریؒ ایسے باطنی مقام والے اور پس منظر میں خانقاہت اور پیری مریدی کی روایات لے کر آنے والے اباجیؒ کی ایک نظر سے ایسے منقلب ہوئے کہ اپنے لیئے راقم نے ان کی زبان سے کبھی لفظ ''میں'' نہیں سنا؟ اپنا ذکر ہمیشہ واحد غائب میں ''عاجز غلام'' کہہ کر کرتے تھے۔ باسط صاحبؒ نے راقم کو بتایا کہ ایک مرتبہ اباجیؒ نے اپنے دائیں ہاتھ کی چاروں انگلیوں اور انگھوٹے سے ایک بڑے گولے کے لیئے جیسا اشارہ کرکے فرمایا کہ ''شاہ جی کو دیکھنے کے لیئے اتنی بڑی آنکھ چاہیئے! باسط صاحب سے ہی اباجیؒ نے کہا ''ماسٹر تیرے لیئے میرا کہا ہوا اللہ کا کہا ہوا ہے اور شاہ جی کا کہا ہوا رسول ﷺ کا کہا ہے۔۔۔اور باسط صاحب کے ضمن میں قادری صاحب کی کہی ہوئی تین باتیں تو میرے علم میں ہیں

انہوں نے فرمایا ''باسط میرا دایاں ہاتھ ہے۔۔۔ باسط کا ایمان جائے تو میرا ایمان اس کے لیئے ہے۔۔۔ باسط میرا بڑا بھائی ہے۔''

قادری صاحبؒ دوسروں کے لیئے نرم اور اپنے لیئے بہت سخت تھے۔ زبردست مجاہدے کرنے والے۔ کم بولنے، کم سونے اور کم کھانے والے مجاہد تھے۔ جب وقت آخر ہسپتال میں داخل ہوئے تو ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے بتایا کہ ان کی آنتیں خشک ہو چکی ہیں انہوں نے مدّت سے کچھ کھایا ہی نہیں ہے راقم کو ان کے ساتھ شریک دسترخوان ہونے کے بہت مواقع ملے ہیں جبکہ وہ ایک بہت چھوٹا سا نوالہ ہاتھ میں لے کر نگلنے میں اتنا وقت لیتے تھے کہ ہم سب شکم سیر ہو کر اٹھنے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ گلاس سے ایک گھونٹ پانی پی کر بھرا گلاس غلام کو دے کر پینے کا اشارہ کیا۔ گلاس کے پانی میں مشک و گلاب مہک رہے تھے راقم نے ایک گھونٹ لے کر اپنی دانست میں دریا دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے گلاس دوسرے حاضرین کو پیش کر دیا معلوم نہیں کہ وہ خوشبو دوسروں نے بھی سونگھی یا نہیں خوشبو کے ہی حوالے سے دو باتیں اور قابل بیان ہیں اول یہ کہ آپ وقت آخر جب ہسپتال میں داخل ہوئے اور راقم کو خبر ملی تو فوراً راقم ہسپتال پہنچا۔ ہسپتال کی حدود میں قدم رکھا ہی تھا کہ گلاب و مشک کی تیز لپٹیں حیران کن انداز میں محسوس کیں اور ہسپتال کا وہ پورا کشادہ سبزہ زار جس پر آپ کے اہل خانہ اور معتقدین بڑی تعداد

میں موجود تھے وہ پورا سبزہ زار اور کھلی فضا خوشبوؤں سے معطر تھی۔وقت آخر جب میّت کفنا کر آپ کے فلیٹ میں رکھی گئی تو جہاں جسم میں انجیکشن لگے تھے وہاں سے مہکتا ہوا مشک وعنبر و گلاب کی خوشبو والا خون رِس رہا تھا جس کو روئی کے پھوئے میں جذب کیا جا رہا تھا۔ وہ پھوئے اب بھی کہیں محفوظ ہوں گے۔

ہسپتال کے ہی حوالے سے ایک اور بات بھی قابل بیان ہے وہ یہ کہ جس کمرہ میں آپ کا بیڈ تھا اس کی نگراں نرس جب کمرہ میں داخل ہوئی تو حیرت زدہ انداز میں گم سم ہوگئی استفسار پر اس نے بتایا کہ کمرہ میں داخل ہو کر میں نے نہ تو مریض کو دیکھا اور نہ بستر کو بلکہ یہ دیکھا کہ سامنے کعبہ شریف ہے اور اس کی چھت پر کھڑے ہوئے بابا مسکرا رہے ہیں۔

ہسپتال میں وقتِ آخر ان کے اکثر اہل خانہ زوجہ محترمہ اور معتقدین بہ مع مرتضیٰ شفیع صاحبؒ نہ معلوم کس احساس میں مبتلا تھے کہ ان کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ راقم نے جب ہسپتال کی حدود میں دیگر لوگوں کے ساتھ مرتضیٰ شفیع اور احمد شفیع صاحبؒ کو دیکھا تو ان کے پاس پہنچ کر قادری صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیئے کہا۔ مرتضیٰ شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھ میں ان کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں اور یہی حال نہ معلوم کس بنیاد پر سیّد محمد حسین بخاریؒ کا بھی تھا کہ وہ تو تیمار داری یا مزاج پرسی کے نام پر بھی ہسپتال تک تشریف نہیں لے گئے اور راقم کے استفسار پر ایک بہلانے والا جواب دے کر خاموش کر دیا۔

راقم نے بلکہ ابا جیؒ کے اہل سلسلہ نے قادری صاحبؒ کا آخری ۲۵ سال کا زمانہ دیکھا ہے اس لیئے ان کی ابتدائی زندگی کے حالات کا علم رکھنے والا اب کوئی نہیں۔ قادری صاحبؒ نے ایک مرتبہ باتوں باتوں میں راقم کو بتایا کہ وہ اپنے بچپن میں ساتھی کھلاڑیوں کے ساتھ بھی ''اسم اللہ'' ڈھونڈنے والا ہی کھیل کھیلتے اور ایک لڑکا جو اکثر ان کے ساتھ رہتا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ **حضرت قاسمؓ بن حسن بن علی ابن ابی طالبؓ تھے۔** آپ بتائیے کیا آگے کچھ اور لکھنے کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قادری صاحب کے ذکر مبارک کو ختم کرتے ہوئے اب قادری صاحبؒ کی ایک عزیز ترین ہستی کا بیان مناسب ہے۔ اہل ظاہر تو شاید قربت کے حوالے سے میرے الفاظ سے اتفاق نہ کریں مگر صاحبان نظر جو باطنی حقیقتوں سے ذرا بھی آگہی رکھتے ہیں وہ ہرگز اختلاف کی جرأت نہیں کرسکتے۔ **قربِ باطنی کے معاملات کثرتِ کی رائے سے طے نہیں کیئے جا سکتے۔**

تاریخ وصال سید شبیر علی قادریؒ

عشق غوث

ع + ش + ق + غ + و + ث

۷۰+ ۳۰۰ +۱۰۰ +۱۰۰۰ +۶+ ۵۰۰

۱۹۷۶ء

پروفیسر سید باسط علی جعفری رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر سیّد باسط علی جعفری رحمۃ اللہ علیہ

نائبِ سیّدی حضرت اباجی رحمۃ اللہ علیہ

فرزند ارجمند سیّد منظر علی جعفری (رام پوری)

وفات

بروز اتوار ۲۱/مارچ ۱۹۹۹ء مطابق ۳/ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

مزار شریف

سخی حسن قبرستان، کراچی

پروفیسر سیّد باسط علیؒ

باسط صاحبؒ نسلاً جعفری سیّد تھے اُن کے اجداد نجارا سے ہندوستان آئے تھے۔ وہاں اُن کا قیام ریاست رام پور مین رہا۔ ان کے والد مرحوم سید منظر علی جعفریؒ شعبۂ تعلیم میں انسپکٹر تھے۔ باسط صاحبؒ نے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی۔ ایس۔ سی اور کراچی یونیورسٹی سے حیاتیات میں ایم۔ ایس۔ سی کیا تھا ابتداء تعلیمی کیریئر کی ایرانیاں اسکول کراچی کے مُدّرس کی حیثیت سے کی تھی پھر ''رضا علی کالج'' میں لیکچرار رہے وہاں سے جامعۂ ملیہ کالج آگئے اور وہیں کے کیمپس ملیر میں طویل عرصہ قیام رہا ۱۹۷۳ء میں مسلم کالج حیدر آباد پھر سچل کالج رانی پور، سراج الدولہ کالج کراچی اور ایس۔ ایم سائنس کالج کراچی کے پرنسپل رہے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے۔

۱۹۵۰ء کے قریب ایرانیاں اسکول میں جب وہ سائنس کے استاد تھے تو وہیں سیّد شبیر علی قادریؒ عربی واسلامیات کے اور مرتضٰی شفیع صاحبؒ اردو کے استاد تھے جہاں اس مثلث کے روابط مستحکم سے مستحکم تر ہوتے گئے اور وہیں سے سیّد نظام الدین قادریؒ سے بھی روابط کا آغاز ہوا بالآخر یہ مثلث مربّع میں منتقل ہو گیا اور سیّد شبیر علی قادریؒ کی محبت وشفقت اور بصیرت کے سہارے یہ تینوں حضرات ابّا جیؒ کے سلسلے میں داخل ہوئے۔

باسط صاحبؒ کا نام ابّا جیؒ کے مقربین اور ہم نشینوں میں بہت اہم ہے۔

حضرت ابّا جیؒ باسط صاحب کو ماسٹر کہتے تھے اور کئی زاویوں سے آپ کا برتاؤ باسط صاحبؒ کے لیئے دوسروں سے ممیّز رہا ہے۔ ابّا جیؒ نے ایک مرتبہ ازراہِ نوازش اپنے سر کی ٹوپی عطا فرمائی اور بھری محفل میں سب کے سامنے ٹوپی عطا کرتے ہوئے اپنی انگلی کے اشارہ سے فرمایا ''تاج وہ گیا۔۔۔وہ گیا۔۔۔وہ گیا'' ابّا جیؒ کی طرف سے ایسی تاج پوشی عالم ظاہر میں کسی دوسرے کی نہیں ہوئی۔ ابّا جیؒ نے ایک مرتبہ باسط صاحبؒ سے فرمایا تھا کہ ''ماسٹر سرکارؒ کا کرم تو وہاں دیکھنا''۔۔۔ ایک عطائے خاص باسط صاحبؒ کے لیئے یہ تھی کہ آپؒ نے باسط صاحبؒ سے فرمایا کہ ''تقویٰ کر اور گھر کا مالک بن جا'' اس ارشاد کی عملی تعبیر سرکارؒ نے راقم کو عالم ظاہر میں دکھائی تھی۔ جب باسط صاحبؒ نے سندھ سے کراچی واپسی پر راقم کے پیر کالونی والے مکان کو ۱۹۷۶ء میں ''ابّا جیؒ کا گھر'' ڈکلیئر کر کے لاتعداد باطنی رموز اور ابّا جیؒ کے خصوصی لطف و کرم کے عالم ظاہر میں نظارے کروائے تھے۔ جن کے بیان سے دانستہ گریز کر رہا ہوں کہ جو اس کے شاہد نہیں وہ اس کا یقین بھی نہیں کر سکیں گے۔ مختصر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ابّا جیؒ کے اس ارشاد کو کہ ''میرے سلسلے میں پہلی صدی والا براہ راست کرم ہے'' راقم نے کُھلی آنکھ سے دیکھا اور برتا ہے اور صرف چند دن نہیں ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۹ء تک، جب باسط صاحبؒ نے بالوجہ ''گھر بلاک'' کر کے فرمایا لوگوں کو تاب دید نہیں تھی ورنہ ابّا جیؒ ظاہر میں آ کر بیٹھ جاتے اور

جب باسط صاحبؒ نے گھر بلاک کر دیا تو اباجیؒ نے فرمایا میں تو باسط کی دلداری نئے نئے طریقوں سے کرتا ہوں مگر وہ سب کچھ چھوڑ کر ''مولاتو' کہہ کر اوپر جا بیٹھتا ہے۔''

باسط صاحبؒ کے لیئے سیّد شبیر علی قادریؒ کا بھی برتاؤ بے مثال تھا وہ باوجود اس کے کہ باسط صاحبؒ کو داخل سلسلہ کرنے والے ان کے رہبر بھی تھے مگر باسط صاحبؒ کو بڑا صوفی، اپنا بڑا بھائی اور دیاں ہاتھ کہتے تھے۔ اور اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کو اپنا بایاں ہاتھ کہتے تھے دراصل دایاں ہاتھ'' کارِ خیر اور فلاح آخرت کی علامت اور بایاں ہاتھ ''فلاح دنیا'' کی علامت ہے حالات نے ان کے فرمودہ کو درست ثابت کر دیا۔

اپنی بارہ سالہ گوشہ گیری اور خانہ نشینی کے لیئے فرماتے تھے باسط مجھے یہاں بیٹھا گیا تھا سو میں وہیں بیٹھا ہوں۔ ایک بار راقم کے کسی سوال کے جواب میں قادری صاحب نے نہایت غمگینی کے ساتھ بھرّائی ہوئی آواز میں فرمایا میں باسط کے معیارِ تصوف پر پورا نہیں اترا۔ دورِ آخر کے کم ربط اور ظاہرہ دوری کے باوجود قربِ باطن کا یہ حال تھا کہ معتبر مراقبہ میں دیکھا گیا کہ باسط صاحبؒ اور قادری صاحبؒ ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے چل رہے ہیں یہ اُن سے اور وہ اِن سے دونوں ایک دوسرے سے بالتکرار کہہ رہے ہیں ''میں تمہارا عاشق''! میں تمہارا عاشق۔ باسط صاحبؒ نے یہ مراقبہ سن کر فرمایا کہ یہ باطن کی نہیں بلکہ باطن

البطون کی رازدارانہ بات ہے جو ابّا جیؒ نے دکھائی دی۔

اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کا روّیہ بھی باسط صاحبؒ کے ساتھ بے مثال تھا وہ باسط صاحبؒ کی عظمت اور شخصیت کے معترف ہی نہیں بلکہ مدّاح تھے اور باسط صاحبؒ نے ان کی دنیادارانہ زندگی بنانے میں وہ کردار ادا کیا تھا جس کی دوسری مثال پورے سلسلے میں نہیں ملتی۔ وہ متعدد معاملات میں نظام الدینؒ کے بظاہر مشیر اور بہ باطن مددگار رہے تھے۔۔۔ اسی طرح مرتضیٰ شفیع صاحبؒ بھی باسط صاحبؒ کے مدّاح خاص تھے انہوں نے اپنی شادی کے موقع پر راقم سے کہا تھا کہ فائق صاحب یہ باسط صاحبؒ جیسا ہی کامل فقیر تھا جو اس منزل پر مجھ کو لے کر کامیابی سے گزر گیا کوئی دوسرا ولی اللہ ہوتا تو وہ اپنی ولایت بھی کھو بیٹھتا۔ ان کا یہ بیان حقیقت پر مبنی تھا کہ راقم ان کی شادی کی راہ میں حائل باطنی مزاحمتوں سے پوری طرح واقف ہے۔ اسی طرح عشرت الحسن برنی صاحبؒ کو بھی انہوں نے اعلیٰ حضرت نظام الدین صاحبؒ کی جانب سے کاملیت کا اعلان ہونے کے باوجود جن اگلے فقیرانہ مدارج کی تکمیل کروائی ان کی بڑے بڑے سالکوں کو ہوا بھی نہیں لگتی اسی لیئے برنی باباؒ نام لینے کے بجائے ان کو ''صاحب'' کہتے تھے۔ روفی بھائی نے ایک باران کے تذکرے پر کہا تھا کہ باسط صاحب ابا جیؒ کا ہیرا تھے۔ (کہ عام نظر ہیرے اور پتھر میں تمیز نہیں کرسکتی)

راقم نے اعلیٰ حضرتؒ کی محفلوں میں ابتدائی سات سال گزارنے کے بعد

جب دوسرے ''مکرّم غلام بھائیوں'' کے مقابلے منزل و مقامات و مراقبہ و مکاشفہ وغیرہ کے حوالے سے خود کو صفر محسوس کیا تو اپنی ذات سے ایسی مایوسی کا احساس ہوا کہ اپنے غلام بھائیوں میں کسی کو ایسا محروم نہیں دیکھا۔ صرف پروفیسر سیّد باسط علیؒ اپنی نفی اور غلامانہ انداز میں ایسے نظر آئے کہ جیسے وہ بھی باطنی مراتب سے محروم ہوں۔ غلام نے سوچا کہ جب باسط صاحبؒ اپنی نفی، مجاہدات اور غلام بھائیوں کی اتنی خدمات کے بعد بھی '' کچھ نہ پاسکے'' تو غلام بھی کچھ نہ پاسکے گا۔۔۔ یہ سوچ کر غلام نے سب کو چھوڑ کر '' نایافتہ کے ساتھ نایافتہ رہنے کا فیصلہ کیا''۔۔۔ غلام کو یہ اندازہ بھی نہ تھا کہ یہ ہی اس کی سب سے بڑی یافت ہے کہ وہ چشم ظاہر میں ایک عام معمولی انسان جیسا نظر آنے والے فقیر کامل کے ''ساتھ کا'' نہیں ''ذات کا'' حصہ بن کر ''اَنَا عَبدُہٗ'' کے ''پرتو'' میں آجائے گا۔

کرم جس پر ہوا تیرا کرم کو بس وہی جانے
تری تنویر سے روشن ہوئے تاریک غم خانے

تری خلوت بھی نورانی تری جلوت بھی نورانی
کرم یا اباجیؒ یا شمعِ بزمِ شاہِ جیلانی

فائق بدایونی

اعلیٰ حضرت سیّد نظام الدین قادریؒ

آپ کی ذات کے تذکرہ کے بغیر ابا جیؒ کے سلسلہ کا تعارف مکمل نہیں ہوتا آپ کے حلقہ عقیدت کے بعض لوگ تو آپ کی محفلوں اور اُن کے شرکا کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔ آج اُن کے حلقہ کی قیادت ان کے چوتھے صاحبزادے عزیز الدین قادری مدظلہ العالیٰ کے پاس ہے۔ راقم کو سیّد باسط علی کے اشارہ پر اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ نے ہی نوافل داخلہ پڑھائی تھیں نوافل داخلہ پڑھنے کے چند دن ہی بعد راقم نے خواب میں دیکھا کہ ایک مجمع کثیر میں اعلیٰ حضرت نے اعلان فرمایا کہ ''فائق وہ نہیں ہے جو تھا اب بدل گیا ہے'' راقم ظاہر و باطن میں اعلیٰ حضرتؒ کے کمالات اور منصب عالی کا چشم دید گواہ ہے اور ان تمام دینی اعزازات سے بھی آگاہ ہے جن کا ذکر اس نے سلسلہ کے اکابر سے سنا ہے اور بعض راز خود اعلیٰ حضرتؒ نے از راہ محبت ظاہر فرمادیئے ہیں۔ جب بعض باطنی اسباب کے تحت راقم کی نشستیں آپؒ کے حلقے میں ختم ہوئیں تو بعض کم فہم اور بدگمان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لیئے آپ نے اعلان کیا ''فائق اور۔۔۔ کے لیئے تا قیامت میرے دروازے کھلے ہیں'' از روئے نسل آپ قادری سیّد اور خود اپنے بیان کے مطابق غوث پاکؒ کے

اعلیٰ حضرت سید نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت سیّد نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

نائبِ سیّدی حضرت ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ

وفات

بروز ۲۳ر نومبر ۱۹۸۲ء مطابق ۶ر صفر ۱۴۰۳ھ

مزار شریف

سخی حسن قبرستان، کراچی

چودھویں/پندرھویں پوتے تھے۔ سلسلہ میں داخلہ کا شرف سیّد شبیر علی قادریؒ کے نوافل پڑھانے سے حاصل ہوا تھا۔ بقول خود جب قادری صاحبؒ آپ کو لے کر ابّا جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابّا جیؒ نے فرمایا ''**شاہ جی میری امانت مجھ کو مل گئی۔**'' مصر اور برطانیہ کی جنگ کے دوران سرکار غوث پاکؒ نے آپ کو ابّا جیؒ کے سپرد کیا تھا۔ جس کی تعمیل ظاہرہ قادری صاحبؒ کے ذریعہ ہوئی۔

اعلیٰ حضرت کے بڑے بھائی جناب غلام نبی مرحوم ابتدائی جماعتوں میں قادری صاحبؒ کے چھوٹے بھائی سیّد شوکت علی قادریؒ کے ہم جماعت تھے جن کی وساطت سے اعلیٰ حضرت کا قادری صاحبؒ کے پاس آنا جانا تھا۔ کراچی میں آپ کا ذریعہ روزگار سائیکلوں کی مرمت کی ایک دوکان تھی جب وہاں سے فارغ ہوتے تو قادری صاحبؒ کے پاس حاضر ہوتے تھے گھر پر بھی اور ایرانیاں اسکول میں بھی۔۔۔قادری صاحبؒ نے مجھے بتایا کہ ''ایک دن نظام میرے پاس نہایت رنجیدہ رنجیدہ آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے پوچھنے پر پتہ چلا کہ ہندوستان میں اس کے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ قادری صاحبؒ نے فرمایا کہ ''یہ سن کر میں نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ آج سے ''میں تیرا باپ اور تو میرا بیٹا''۔ فقر کی منازل طے کر کے ابّا جیؒ سے محبوبیت اور باطنی اختیارات عطا ہونے پر **قادری صاحبؒ نے ہی ان کو ''اعلیٰ حضرت'' کے لقب سے نوازا** اور ان کا یہ لقب اس قدر مقبول و

معروف ہوا کہ لوگ ان کو اس لقب سے ہی پہچاننے لگے بلکہ اکثر یہ بھی ہوا کہ آپ اپنی طرف سے جب کسی کو کوئی پیغام بھجواتے تو کہتے تھے فلاں سے کہنا کہ اعلیٰ حضرت نے یوں کہا ہے۔ (خود کو بھی اعلیٰ حضرت کہتے تھے)

راقم آپ کے باطنی مرتبہ اور فقیرانہ شان کو کیا بیان کرے کہ آپ راقم کے ''رہبر اوّل'' تھے جن کی محفلوں میں ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۳ء کے اوائل تک روزانہ شام سے ابتدائی تہائی شب تک راقم کی حاضری مستقل رہی ہے۔

آپ سرکار غوث پاکؒ کے محبوب کے محبوب ہونے کے سبب محبوبانہ طریقوں کے حامل تھے اور چشم ولب وابرو سے محبوبیت کی شان جھلکتی تھی۔ بعض جوشیلے معتقدین نے احترام و محبت کو قلب میں جذب کرنے کے بجائے زبان و بیان کے قالب میں ڈھال کر ایسی فضا پیدا کردی تھی کہ اپنے حلقہ کے لیئے آپ کو ایک دن فرمانا پڑا کہ **اب تو یہ ایک کلب ہے جس کا جی چاہئے آئے نہ آئے کہ اب تو یہاں دنیاداری ہی ہوگی**

اس اعلان کے بعد سب سے پہلے پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ نے قطع تعلق کیا پھر روزانہ حاضری دینے والے عشرت الحسن برنی صاحبؒ بھی گھٹنوں کے درد کا عذر کر کے اپنے ہی گھر تک محدود ہو گئے۔ باسط صاحبؒ کے سندھ تبادلے کے سبب ظاہر و باطن کے حالت نے بھی رنگ بدل لیا۔ راقم بھی پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ کی ہمراہی اور باسط صاحبؒ کے اگر حکم نہیں تو ایما سے قادری صاحبؒ کی محفل میں شریک ہونے لگا۔ معلوم نہیں اس اعلان کے بعد دینداری دوبارہ

شروع ہونے کا اعلان کب ہوا۔۔۔ ہوا بھی یا نہیں؟۔واللہ اعلم۔

سائیکلوں کی مرمت والی چھوٹی سی دوکان ختم کردینے کے بعد نظام الدین صاحبؒ کا کوئی ذریعہ معاش نہیں رہا تھا۔انوکھا کمپاونڈ رنچھور لائن کے ایک ٹوٹے ہوئے خستہ ترین مکان میں رہائش تھی۔سیّد باسط علی جعفریؒ کی باطنی و ظاہری کوششوں سے پہلے راجہ مینشن کے ایک کمرہ والے فلیٹ میں رہائش ہوئی اور پھر آخر کار غلام بھائیوں کی معاونت اور باسط صاحبؒ کی کوششوں اور تدبیروں سے گلبرگ گیارہ نمبر میں چار سو گز کے پلاٹ پر ایک شاندار عمارت کی تعمیر ہوئی جس میں اعلیٰ حضرت کی رہائش اور غلاموں کی نشست کی ضروریات بہ شان وشوکت پوری ہوئیں۔

غلاموں کی معاونت سے تعمیر ہونے والی یہ عمارت جس کو اباجیؒ منزل کا نام دیا گیا اور اس میں غلاموں کی معاونت سے ہی سجنے والے دسترخوان اور دیگر ضروریات کے لیئے فراہم کیا جانے والا سامان ماں جیؒ کی پسند کے مطابق نہیں تھا اس کا اظہار اس وقت ہوا جب نظام الدین قادری صاحبؒ کی بھتیجی کی شادی کے موقع پر ''ماں جیؒ اعلیٰ حضرتؒ کے پاس تشریف تو لائیں مگر انہوں نے اس عمارت میں داخل ہونے سے انکار کردیا اور بالآخران کو باہر والے چبوترے پر کرسی ڈال کر بیٹھایا گیا۔

نظام الدین صاحبؒ نے اباجیؒ منزل پر دنیاداری ہونے کا اعلان کرتے وقت یہ بھی فرمادیا تھا کہ ''**فقیر سے دنیاداری کرنا کھولتے ہوئے تیزاب سے کھیلنا ہے مگر حوصلہ مند لوگوں نے یہ کھیل بھی گوارکیا**'' جب کہ راقم جیسے بہت سے کمزور لوگ یہ حوصلہ نہ

کر سکے۔ بالاخر اعلیٰ حضرتؒ کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی زوجۂ محترمہ نے ان کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور اب صاحبانِ عقیدت کی قیادت سیّد عزیز الدین قادری کے پاس ہے جو بصد حسن و خوبی، حوصلہ مندی کے ساتھ ۶/اپریل کے عرس شریف اور مزار شریف کی آرائش و زیبائش کا اہتمام اعلیٰ حضرت جیسی ہی محنت و کاوش سے کرتے ہیں۔ راقم کو ان کے حلقہ کی نوعیت اور وسعت کا کوئی اندازہ نہیں ہے سنا ہے کہ اباجیؒ منزل بھی فروخت ہو چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت اباجیؒ کے عرس شریف پر پڑھی گئی پہلی منقبت کے آخری بند میں غلام نے اعلیٰ حضرتؒ کی نسبت سے یوں کہا تھا:

غوث اعظم شاہِ طریقت
جن کو اَبّا جیؒ کی چاہت
اَبّا جیؒ کو جن سے محبت
میرے رہبر اعلیٰ حضرتؒ

میرا ماہی صلِّ علیٰ، میں کچھ بھی نہیں

پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ

پروفیسر مرتضیٰ شفیع صاحبؒ اپنی چال ڈھال وضع قطع گفتار و کردار اور طور طریق کے لحاظ سے مشرقی تہذیب کا بہترین نمونہ تھے ہندوستان میں آبائی تعلق کان پور سے تھا۔ زبان و ادب پر گہری نظر رکھتے تھے اردو میں ماسٹرز کیا تھا تدریس کا آغاز ایرانیان اسکول سے کیا تھا بعد میں جامعۂ ملیہ کالج، نیشنل کالج اور علامہ اقبال کالج میں پروفیسر رہے اور علامہ اقبال کالج سے ہی ریٹائر ہوئے اور وہیں تدریس کرنے والی پروفیسر ''زہرہ'' سے رشتہ ازواج میں منسلک ہوئے۔ راقم سے تعلقات ۱۹۵۴ء سے تھے۔ نہایت خوش مزاج انجمن آرا شخصیت کے مالک تھے راقم سے تعلق خاص اور قریبی روابط ہم پیشگی اور زبان و ادب کی نسبت سے ہوئے تھے۔ مالی ذمہ داری صرف اپنی ہی ذات کی تھی اس لیئے پروفیسر شب کی تنخواہ میں کشادہ دستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ رہائش ملیر میں تھی پیدل چلنے سے گھبراتے تھے۔ باسط صاحبؒ ان کو ''ٹیکسیوں کا شہزادہ کہتے تھے''۔ باسط صاحبؒ، قادری صاحبؒ اور نظام الدین صاحبؒ سے قریبی روابط رکھتے تھے۔ باسط صاحبؒ کے ملیر والے کیمپس کے مکان میں قادری صاحبؒ، باسط صاحبؒ اور اعلیٰ حضرتؒ کی موجودگی میں نوافل داخلہ پڑھی تھیں۔ حضرت ابا جیؒ سے اجازت یافتہ تھے مگر کسی کو خود نوافل نہیں پڑھائے۔ اعلیٰ حضرتؒ سے لاتعداد لوگوں کو نوافل

داخلہ پڑھوائی ہیں۔

مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کی شخصیت میں فہم وفکر پر جذب ومحبت کا غلبہ تھا جس کا مظاہرہ انہوں نے سلسلے کے بہت سے معاملات میں کیا ہے۔ ویسے ابا جیؒ کے سلسلہ کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہاں روحانی سفر میں سلوک کی منزلیں ریاضت ومجاہدات کی طاقت کے بجائے محبت کی توانائی سے طے کی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ عالم جوانی میں ہی جب مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کو نعمت عطا ہوئی تو باطنی نظر ہی ان کی چشم ظاہر بن گئی تھی جدھر دیکھتے تھے سنہرا چمکتا دمکتا اسم اللہ دکھائی دیتا تھا ابتداء میں تو یہ حال تھا کہ زمین پر قدم نہیں رکھتے تھے کہ اسم اللہ پر پاؤں نہ پڑ جائے سرکار دو عالم ﷺ کی ہمہ وقتی نصیب تھی کھلی آنکھ سے ہر وقت سرکار ﷺ ساتھ دکھائی دیتے تھے اور باتیں بھی ہوتی تھیں۔ جب کلاس روم میں لیکچر دینے جاتے تو سرکار ﷺ سے پوچھ کر جاتے تھے کہ آپ چلے تو نہیں جائیں گے؟ ظاہر ہے اس باطنی کیفت کے ساتھ زبان پر عبور کامل تدریسی جماعت میں وہ رنگ پیدا کرتا تھا کہ ان کے شاگرد آج بھی یاد کرتے ہیں۔ اسی پس منظر میں وہ اردو زبان وادب کے بہترین استاد تصور کیے جاتے تھے۔ ابا جیؒ کے ہاں سے مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کو جیسی نعمت عطا ہوئی تھی ایسی کرم فرمائیاں طالب میں ایقان واعتماد پیدا کرنے کے لیئے کی جاتی ہیں جو بالعموم ہمشہ جاری نہیں رہتیں۔ ہاں یقین کامل اور پختہ عقیدہ باقی رہ جاتا ہے۔ بعض کو براہ راست ایقان عطا کر دیا جاتا ہے ان کا فہم و عقیدہ حسّی تجربات سے بالاتر ہو جاتا ہے اور وہ یہی کہتے ہیں کے بغیر ثبوت تسلیم کیا اور بے دلیل مانا۔

پروفیسر حضرت مرتضیٰ شفیع رحمۃ اللہ علیہ

پروفیسر سیّدی مرتضٰی شفیع رحمۃ اللہ علیہ

نائبِ سیّدی حضرت ابّا جی رحمۃ اللہ علیہ

فرزند ارجمند جناب محمد شفیع صاحب (کانپوری)

وفات

بروز منگل ۲۵/مارچ ۲۰۰۲ء مطابق ۱۱/محرم ۱۴۲۳ھ

مزار شریف

پنجابی قبرستان، ریکسر لائن، کراچی

فقیری راہ میں جذبات کی وارفتگی اور عقیدت و محبت کے جوش میں مرتضٰی شفیع صاحبؒ سے بعض معاملاتی لغزشیں بھی ہوئی ہیں۔ پہلی یہ کہ جب انہوں نے قادری صاحبؒ کی محفل میں دوبارہ بیٹھنا شروع کیا تو قادری صاحبؒ سے جوش عقیدت و محبت کے سبب ان کے اور باسط صاحبؒ کے روابط میں ظاہرہ فصل دیکھ کر باسط صاحب کی طرف سے بدظنی پیدا ہوگئی اور جس کو وہ **بے مثال فقیر کامل کہتے تھے اب کچھ اور نظر آنے لگا** ۔۔۔کاش وہ قادری صاحب اور باسط صاحب کے باطنی اور روحانی قرب کو حالات ظاہرہ سے بالاتر ہو کے دیکھتے!۔۔۔دوسری ایسی ہی ایک لغزش جس سے ان کے سلسلے میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں قادری صاحب کے ایما و مصلحت کے خلاف قادری صاحب کے ایک قریبی دوست اور ساتھی ''سیّد محمد حسین بخاریؒ'' سے ان کی فزوں وابستگی ہے جس کے لیئے قادری صاحبؒ نے خود یہ بات راقم سے کہی کہ'' **سیّد صاحبؒ سے شفیع نے خود گٹھ جوڑ کیا ہے میں نے نہیں چاہا تھا!**'' قادری صاحبؒ کی زبان سے ''گٹھ جوڑ'' کا لفظ ادا ہونے کے اثرات راقم نے پوری طرح دیکھے اور سمجھے ہیں۔ مرتضٰی شفیع صاحبؒ کے آخری ایاّم میں کم و بیش تیس سال بعد جب وہ اپنے حلقے کے عقیدت مندوں کے ساتھ بحیثیت سربراہ بیٹھنے لگے تو راقم نے ان سے آخری ملاقات کی۔ اس ملاقات میں انہوں نے ڈاکٹر شمسی صاحبؒ کا خاص تذکرہ کیا جو اب ان کے عقیدت مندوں کے سربراہ ہیں اور بعض

عقیدت مندوں کا مجھ سے یہ کہہ کر تعارف بھی کرایا کہ ''یہ بھی آپ ہی کے ہم سلسلہ ہیں'' بحمد اللہ کہ تیس (۳۰) سالہ فصل کے بعد بھی انہیں راقم سے کوئی بدگمانی نہیں ہوئی اس کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ راقم کی راہ سے متعلق ان کی تشویش دور کرنے کے لیئے قادری صاحبؒ نے ان سے راقم کے لیئے فرمادیا تھا کہ ''وہ اگر کالے چور کے ساتھ بھی بیٹھے تو بھی سرکارؒ کا غلام ہے''۔۔۔اس ملاقات میں راقم نے ان کی زبان سے جو غیر متوقع بات سنی وہ ان کا اپنے عقیدت مندوں کے لیئے یہ ارشاد تھا ''اب اِن لوگوں کے معاملات یہاں سے سیّد صاحبؒ کے پاس جاتے ہیں وہاں سے قادری صاحبؒ کے پاس اور پھر قادری صاحبؒ کے پاس سے ابا جیؒ کے حضور پیش کیئے جاتے ہیں۔''

ابا جیؒ کے سلسلہ کی براہ راست نسبت سے واقفیت رکھنے والے کی زبان سے ان واسطوں اور وسیلوں کے درمیان ہونے کی بات سن کر راقم کو حیرت بھی ہوئی اور اداسی بھی! اور سیّد شبیر علی قادریؒ کی زبان سے تیس سال قبل ادا ہونے والے لفظ ''گٹھ جوڑ'' کا مفہوم واضح ہوگیا۔ یہ سب کچھ سیّد محمد حسین بخاریؒ کے مراتب و مدارج کی رفعت اور ان کی باطنی و روحانی عظمت کے واقعات سن کر ان سے مرتضٰی شفیع صاحبؒ کی جو شیلی وابستگی کا نتیجہ تھا کہ ابا جیؒ سے براہ راست حاصل ہونے والی نیابت کو وہ نظر انداز کر بیٹھے جب کہ سیّد محمد حسین بخاریؒ سے ان کی وابستگی میں ابا جیؒ کی کسی نسبت کا دخل نہ تھا نہ ہے۔

اس وقت ان کے حلقہ میں شامل جو لوگ ہیں وہ اور خاص کر ڈاکٹر شمسی صاحب اگر اپنی باطنی اور دینی معاملات نوافل داخلہ پڑھانے والے کی نسبت سے براہ راست اباجیؒ سے وابستگی کا اصول اپنا لیں تو میں قادری صاحب کے ہی الفاظ دوہراؤں گا جو انہوں نے برنی صاحبؒ کے حوالے سے کہے تھے کہ:

''میرے اباجیؒ کے کرم کو محدود نہ کر''

جو شخص سرکار اباجیؒ کے براہ راست کرم اور نسبت کا قائل نہیں وہ بزرگ تو ہو سکتا ہے اباجیؒ کے سلسلہ سے وابستہ نہیں رہتا اس وابستگی کو بحال کرنے اور قائم رکھنے کے لیئے نوافل پڑھانے والے کے علاوہ درمیان کے تمام وسیلوں سے عقیدت و محبت رکھنے کے باوجود معاملاتی بے تعلقی اختیار کرنی لازم ہے کہ ''غلام اور آقا کے درمیان' غیر حائل نہیں ہوتا۔'' واللہ اعلم بالصواب

جس طرح ہر امتی سے سرکار دو عالم ﷺ کا براہ راست تعلق ہے اسی طرح سلسلہ کے ہر غلام کا راست تعلق سرکار اباجیؒ کی ذات اقدس سے ہے کوئی شجرہ درمیان نہیں

جناب محمد علی صاحبؒ

تاریخ نامکمل رہے گی اگر جناب محمد علی صاحبؒ کا ذکر سلسلہ کے حلقوں کے بیان میں نہ کیا جائے راقم کی محدود معلومات کی حد تک ابا جیؒ کی کراچی تشریف آوری کے بعد ابا جیؒ کی ذات سے فیضیاب ہونے والی خوش نصیب غالباً پہلی جواں سال معروف ہستی محمد علی صاحبؒ کی تھی۔ راقم نے سنا ہے کہ جب ابا جیؒ نے رنچھوڑ لائن میں لارنس روڈ پر واقع عباسی مینشن کے ایک فلیٹ میں قیام اختیار کیا اس وقت ایک نوجوان غریب لڑکا زینے کے نیچے چھوٹی سی جگہ میں پردے کے پیچھے رہائش پذیر تھا جو ابا جیؒ کو آتے جاتے دیکھ کر نہایت عزت سے سلام کرتا تھا۔ اس پر ابا جیؒ کی نظر کرم ہوئی آپ نے اسے منتخب فرمالیا بس پھر کیا تھا کہ اس نوجوان نے راہِ سلوک کی منازل طے کرنی شروع کر دیں اور بالآخر سرکار ابا جیؒ کے فضل و کرم سے فقر کی راہیں طے کر کے اس مقام پر پہنچا کہ **ابا جیؒ اس کی فقیری پر ناز کرتے تھے۔**

ابا جیؒ نے اس نوعمر راہِ فقر کے جوان محمد علی صاحبؒ کے لیئے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ **سلطان باہوؒ تو ''ھ'' کے شیر تھے میرا محمد علی ''لہ'' کا شیر ہے** بعد میں آپ ہی دھوبی گھاٹ میں رہائش اختیار رکھنے کے سبب

اسی نسبت معروف ہوئے اور ان کے عقیدت مندوں کا بھی ایک حلقہ وجود میں آیا جو آج بھی جاری ہے مگر اسباب باطنی کی بنیاد پر ان کی آمد و رفت قادری منزل پر نہیں ہے اور نہ ہی دوسرے حلقوں کے غلام ان سے واقف ہیں۔ محمد علی صاحبؒ کی کاملیت اور فقیرانہ عظمت اور رعب و جلال کے کئی واقعات راقم کے علم میں ہیں مگر راقم داستان طولانی ہونے کے خوف سے ان کے بیان سے گریز کر رہا ہے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ در سے اتار دیئے گئے تھے! ایسا نہیں ہے بلکہ **ان کو کم نظروں کی نظر سے چھپا دیا گیا تھا کہ ہر راز سب پر ظاہر نہیں کیا جاتا۔**

حضرت محمد علی صاحبؒ نے باسط صاحبؒ سے اس اظہار کے بعد کہ ان کی معافی ہوگئی ہے باسط صاحبؒ کے ہی ایما پر جب قادری منزل پر دوبارہ بیٹھنا شروع کیا تو معاملات، مزاج اور راہوں کا اختلاف رکھنے والے دوسرے فقراء کے حلقوں کی آمد و رفت قادری منزل سے منقطع ہوگئی مگر قادر بھائی جانؒ نے اپنے اصول اور مزاج کی مطابقت سے اس معاملہ میں نہایت غیر جانب دارانہ رویّہ اختیار کیا جیسے کہ سارے باطنی رموز ان پر آشکار تھے اور وہ اپنے اس اصول پر قائم رہے کہ **"میں قادری منزل آنے والے غلاموں کا خادم ہوں"** کہا جاتا ہے کہ جو خدمت کرتا ہے مخدوم ہو جاتا ہے مگر قادر بھائی جانؒ نے مخدوم ہو کر خادم بننا سکھایا کہ ابّا جیؒ کے مطابق سرکارؒ کے **غلام کی شان یہی ہے کہ وہ غلامی کے آداب نظر انداز نہ کرے۔**

جناب احمد شفیع صاحبؒ

جناب احمد شفیع صاحبؒ کا کوئی حلقہ نہیں تھا ان کو قادری صاحبؒ نے جس حلقہ کی سربراہی اجتماعی ختم شریف پڑھنے اور نماز با جماعت میں امامت کرنے کے لیئے عطا کی تھی وہ قادری صاحبؒ کا وہی حلقہ تھا جس کی نشست نرائن داس کمپاؤنڈ میں سیّد محمد حسین بخاریؒ کے فلیٹ پر ہوتی تھی اور جو ختم و امامت کی حد تک احمد شفیع صاحبؒ کی سربراہی میں تھا۔ ابا جیؒ کے سلسلہ میں آپ اجازت یافتہ تھے یا نہیں اس کا راقم کو کوئی علم نہیں۔ اگر اجازت ملی تھی تو کب اور کس طرح اور یہ کہ انہوں نے کسی کو نوافل داخلہ پڑھا کر داخلِ سلسلہ کیا بھی ہے یا نہیں راقم کی معلومات سے باہر ہے۔ ان کی ذاتی اور شخصی صفات عالیہ سے راقم بھرپور آگہی رکھتا ہے اور ہمیشہ سے (تقریباً گزشتہ پچاس سال سے) ان کی متانت و بُرد باری کم گوئی۔ والدین کی فرمانبرداری۔ نشست و برخاست کی مشرقی روایات سے وابستگی، چھوٹوں کا بڑا اور بڑوں کا چھوٹا بننے کی قابل تعریف روش کا مداح و معترف رہا ہے۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر قابل احترام بات ابا جیؒ کی

محفلوں میں ان کی شرکت اور قادری منزل پر حاضری کی باقاعدگی ہے۔ سیّد شبیر علی قادریؒ کے آخری دور میں ان کی شرکت قادری صاحبؒ کی محفلوں میں باقاعدگی سے ہونے لگی تھی اور جمعرات کے ختم شریف اور نماز مغرب کی ادائیگی قادری صاحبؒ کے ساتھ ہی سیّد محمد حسین بخاریؒ کے فلیٹ پر ہوتی تھی جناب مرتضیٰ شفیعؒ، راقم، ماجد بھائی اور دیگر غلام بھی وہیں شریک ختم ونماز ہوتے تھے۔ راقم کو یاد ہے کہ اپنے آخری ایّام میں قادری صاحبؒ شدید نقاہت کے سبب امامت کرنے اور ختم پڑھنے میں سخت دِقّت محسوس کرنے لگے اس وقت انہوں نے یہ دونوں ذمہ داریاں جناب احمد شفیع صاحبؒ کے سپرد کردی تھیں جس کو قادری صاحبؒ کے پردہ فرمانے کے بعد سیّد محمد حسین بخاریؒ نے بھی جاری رکھا ان کے وصال کے بعد جب احمد شفیع صاحبؒ خود بیمار ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے اپنے گھر پر ہی انفرادی ختم پڑھا کریں اور اجتماعی ختم کا سلسلہ جناب امین بخاری صاحبؒ کے ہی ذمہ رہا۔

اب اس معاملہ میں اجازت ونیابت کی نوعیت کیا تھی یا کیا ہے راقم کو اس کا علم نہیں ہے مگر یہ ضرور ہے کہ جناب امین بخاری صاحب کے ہاں ختم شریف اباّ جیؒ کے طریقے والا ہی ہے جناب امین بخاری کے پاس نیابت اباّ جیؒ کی ہے۔ قادری صاحبؒ کی یا جناب محمد

حسین بخاریؒ کی (جوان کے ماموں تھے) یا جناب احمد شفیع صاحب کی! واللہ اعلم بالصواب

ویسے یہ بات راقم کے علم میں ہے کہ احمد شفیع صاحبؒ کی بیٹی اور اس کے مرحوم شوہر احمد شفیع صاحبؒ کے بعد جناب امین بخاری صاحب کے گھر پر ہی ختم میں شریک ہوتے رہے تھے اور وہ اباجیؒ کے نام کے علاوہ قادری منزل یا آپؒ کی آل سے ناواقف تھے۔

اباجیؒ کا کرم لامحدود ہے کسی غلام کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اباجیؒ کے فیض و کرم کو اپنی ذات یا صرف اپنے حلقہ تک محدد سمجھے۔ یہ کم نظری اور ناواقفیت کا ثبوت ہے۔کوئی بھی شخص جو دنیا کے کسی بھی حصہ میں درودتاج پڑھتا ہے خوا اباجیؒ سے واقف ہو یا نہ ہو اس کو اباجیؒ کا فیض یقیناً پہنچ رہا ہے۔

نورِ خدا خود جلوہ فشاں ہے
اباجیؒ کا فیض وہاں ہے
درودِ درود تاج جہاں ہے
ذرہ ذرہ نغمہ کناں ہے

میرا ماہی صل علی میں کچھ بھی نہیں

سیّد اقبال حُسین قادریؒ

سیّد شبیر علی قادریؒ کے بعد نیابت کے حوالے سے جن مرحومین کے نام آتے ہیں ان میں سیّد اقبال حسین قادریؒ، جناب محمد حسین بخاریؒ اور جناب احمد شفیع ؒ کے نام ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم نام ان کے بڑے صاحبزادے سیّد اقبال حسین قادریؒ کا نام ہے۔ بعض باطنی وجوہ کے علاوہ ان کے ذاتی رویّہ کردار اور پر کشش شخصیت کے سبب راقم کو ان سے اور ان کو راقم سے مانوسیت خاص رہی ہے۔

شخصی مانوسیت سے ہٹ کر بھی راقم اباجیؒ اور قادری صاحبؒ کی نسبت سے بھی ان کے لیئے عزت واحترام کے جذبات رکھتا ہے۔ معاملاتی حوالے سے یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ وہ اباجیؒ کے اچھے غلام، قادری صاحبؒ کے لائق اور فرمانبردار بیٹے تھے اور قادری صاحب کے خاندانی سلسلہ کی نعمت اور نیابت بھی ان کے پاس تھی۔ مگر یہ بات کہ وہ اباجیؒ کے سلسلہ کی نیابت کے حامل اور اجازت یافتہ تھے یا نہیں۔ نیز یہ کہ انہوں نے اباجیؒ کے سلسلہ میں داخل کرنے کے لیئے کسی کو نوافل بھی پڑھائی ہیں یا نہیں۔ اور یہ بات بھی راقم کے علم سے باہر ہے کہ آیا ان کا بھی کوئی حلقہ تھا یا ہے یا یہ کہ قادری صاحبؒ کا خاندان اور ان کی آل ہی ان کے نیازمندوں میں ہیں۔ انہوں نے اپنی اچانک رحلت سے قبل کسی کو نیابت دینے کا کوئی

اشارہ بھی دیا تھا یا نہیں یا کوئی اس نوع کی پیشگی خبر بھی دی تھی یا نامزدگی کی تھی راقم بالکل بے خبر ہے۔ مگر اپنی خاندانی نیابت اور ابا جیؒ کے سلسلہ میں ان کی شمولیت کا راقم کو یقین ہے۔

ان باتوں سے ہٹ کر اقبال قادریؒ کے ہی حوالے سے یہ سوال بار بار راقم کے ذہن میں آیا ہے کہ ابا جیؒ کے سلسلے کی جو نعمت اور نیابت سیّد شبیر علی قادریؒ کے پاس تھی وہ کس کو منتقل ہوئی اور اب اس نیابت کے حامل کی حیثیت سے قادری صاحبؒ کے خاندان میں کسی کو نوافل داخل پڑھانے کا اختیار ہے کہ نہیں۔ نیز کہ اس وقت قادری صاحبؒ کی آل میں جو نوعمر قادری منزل پر ختم شریف میں شرکت کرتے ہیں آیا انہوں نے نوافل داخلہ پڑھی بھی ہیں یا نہیں۔ یہ سب سوچ راقم کو اس لیئے ہے کہ ابا جیؒ کے سلسلہ میں شمولیت ارادت سے نہیں بلکہ قبولیت سے ہے جو صاحب اجازت کی سفارش سے حاصل ہوتی ہے۔ ویسے تو اگر کوئی صاحب اجازت کسی کی غلامی کے لیئے سفارش گزار ہو تو بھی غلامی عطا ہو سکتی ہے۔ مگر راقم کو یاد ہے کہ جب اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ نے راقم سے کہا تھا کہ ''آپ غلام ہو گئے'' آپ ختم شریف میں شریک ہوا کریں۔ تو قادر بھائی جان کی روحانی نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا جس کے بعد اعلیٰ حضرت نے عالم ظاہر میں بھی راقم کو نوافل داخلہ پڑھائی تھیں۔ اس لیئے تقاضۂ احتیاط یہی ہے کہ جو لوگ نوافل داخلہ پڑھے بغیر شریک ہوتے ہیں وہ کسی صاحب اجازت سے نوافل پڑھ لیں کہ غلامی ارادت سے نہ حاصل ہوتی ہے نہ ضائع ہوتی ہے۔

سیّدی اقبال حسین قادری رحمۃ اللہ علیہ

برنی صاحبؒ کو ابا جیؒ کی محفلوں میں شرکت کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت نظام الدین صاحبؒ نے باطنی منزلیں چلا کے روحانی سفر مکمل ہونے کا اعلان کیا تھا اور وہ ان کو صاحب سجّادہ بنا کر بٹھانا چاہتے تھے جبکہ برنی صاحبؒ خود سجادگی کا تجربہ بھی رکھتے تھے اور میلان طبع بھی اس جانب تھا مگر باسط صاحبؒ کی تربیت اس راہ میں حائل تھی کہ وہ غلام کی سجّادہ نشینی کے قائل ہی نہ تھے۔ غالباً اسی پس منظر میں برنی صاحبؒ نے اپنے گھٹنوں میں تکلیف کا عذر کر کے اعلیٰ حضرتؒ کے ہاں حاضری ختم کر دی اور صاحب مراقبہ ہونے کی نسبت سے اعلان کر دیا کہ ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے ان کے اسی رویّہ کو دیکھ کر اعلیٰ حضرتؒ نے ان کو ''باغی'' کے لقب سے یاد کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد باسط صاحبؒ نے برنی صاحبؒ کو باطنی اور روحانی سفر میں وہ مقامات بھی طے کروائے کہ جن کا عام طور پر راہِ سلوک والوں کو بھی اندازہ نہیں ہے۔

ایک دن برنی صاحبؒ کے مکان پر باسط صاحبؒ اور ماجد بھائیؒ کے ساتھ راقم بھی موجود تھا کہ برنی صاحبؒ نے باسط صاحبؒ سے کہا کہ ''ابا جیؒ نے مراقبہ میں ان سے فرمایا ہے'' کہ ''**تو لوگوں کو لے کر بیٹھ**'' باسط صاحبؒ یہ جملہ سن کر کرسی سے کھڑے ہوئے اور بولے ''**اچھا آپ بیٹھیں میں چلا**'' یہ جواب سن کر برنی صاحبؒ کے شوقِ سجّادگی پر پانی پڑ گیا پھر رفتہ رفتہ انہوں نے باسط صاحبؒ سے بھی فاصلے بڑھانے شروع کر دیئے اور باسط صاحبؒ کی رہائش ملیر سے ختم ہونے کے بعد صرف یہی

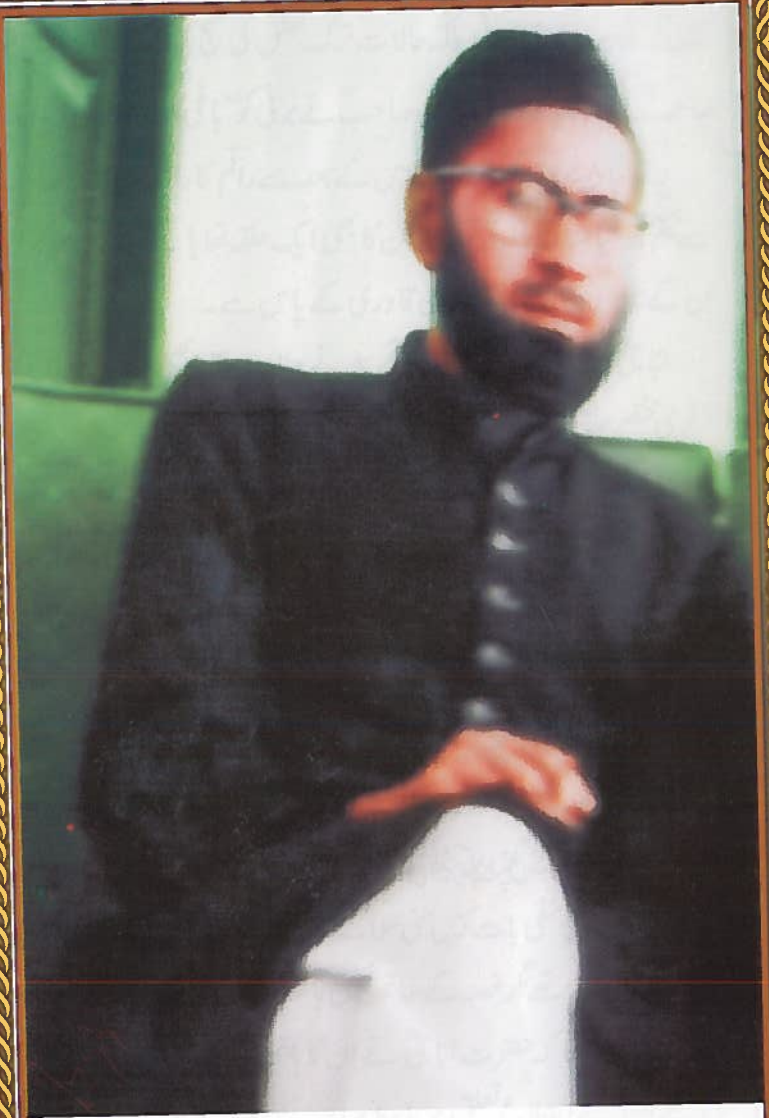

پروفیسر عشرت الحسن برنی بابا رحمۃ اللہ علیہ

ہماری کوتاہیاں

ابّا جیؒ کی برادری اور سلسلہ کا مختلف حلقوں میں منقسم ہونا کوئی انوکھی اور حیرت انگیز بات نہیں ہے اس لیئے کہ جس سلسلہ میں پہلی صدی والا فیض تھا اس میں حلقوں اور فرقوں کا وجود میں آنا بھی پہلی صدی کی ہی روایت ہے۔

البتہ تکلیف دہ درج ذیل پہلو ہیں:

☆ اول مرکز سے نظر کا ہٹ کر محیط پر مرکوز ہونا

☆ دوم ایک دوسرے کو تسلیم نہ کر کے خود کو ہی درست سمجھنا

☆ سوم دست بوسی، مسند نشینی، نذرانے قبول کرنا، برادرانہ نسبت کو نظر انداز کرنا۔ نفیء ذات سے غفلت، دین کی ثانویت اور دنیا طلبی، سلسلہ کے معمولات واوراد سے دوری یا عدم واقفیت۔ قادری منزل سے ربط کا ٹوٹنا اور مرکزی سربراہِ سلسلہ سے رابطے کمزور ہونا افسوس ناک ہے۔

راقم کے نزدیک اوپر بیان کردہ کوتاہیوں کو دور کرنے اور ان سے دور رہنے کے لیئے راقم سلسلے کے چند بنیادی تصورات اور اصول کا بیان ضروری خیال کرتا ہے کہ اگر کچھ لوگ ان کو بھول چکے ہیں تو ان کی یاد دہانی ہو جائے اور اگر کچھ ناواقف ہیں تو ان کو آگہی ہو جائے ویسے ''اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دے ہدایت اس کو ملتی ہے''۔

راقم کی محدود بصیرت۔ محدود حافظے اور کم علمی کے باوجود'' جو باتیں سرکار ابّا جیؒ کے کرم اور ابّا جیؒ کے ہم نشینوں کی مہربانی سے راقم تک پہنچی ہیں وہ حسب ذیل بیان کی جاسکتی ہیں۔

سلسلہ کے بنیادی تصورات

۱۔ خانقاہیت سے گریز

۲۔ مریدی نہیں غلامی

۳۔ شجرہ نہیں نسبت اویسی

۴۔ مرکز سے وابستگی

۵۔ اپنی نفی

۶۔ دین کے ساتھ دنیا

۷۔ سلسلہ یا برادری

۸۔ پہلی صدی والا فیض

۹۔ خصوصی اورادو معمولات

مندرجہٗ بالا اصول اور تصورات کی مختصر شرح اباجیؒ کے ارشادات اور ان کی محفل کے شرکاء وہم نشینوں کی شخصیات کے عمل و کردار اور طور طریقوں کے حوالے سے کی جا رہی ہے۔ تازہ واردان سے راقم دل سوزی کے ساتھ گزارش کرتا ہے کہ وہ اپنے متعلقہ حلقے کی دیگر روایات و اطوار سے زیادہ توجہ ذیل کے اصولوں پر مرکوز رکھیں۔

۱۔ خانقاہیت سے گریز

تاریخی حوالوں سے اگر معروف دینی طریقوں کے اندازِ سلوک کا جائزہ

لیا جائے تو صاحب ارادت یعنی مرید اور مراد کے باہم رشتوں اور طور طریقوں سے متعین ہونے والے رسوم و رواج و روایات کو خانقاہیت کا نام دیا جاتا ہے خانقاہی نسبت درج ذیل عوامل پر مشتمل ہوتی ہے۔

اوّل: طالب کی ارادت

دوم: صاحب اجازت کی قبولیت

سوم: شجرۂ نسبتی

اصطلاحاً اس وابستگی کو بیعت کہتے ہیں جو فِسق ارادت سے ختم ہو جاتی ہے جہاں صاحب ارادت مرید ہوتا ہے اور صاحب اجازت مراد ہوتا ہے لفظ بیعت اس لیئے استعمال کیا جاتا ہے کہ طالب اپنے آپ کو پیر کے ہاتھوں آخرت کی سلامتی کے عوض بیچ کر دیتا ہے۔ اس طریق، سلوک میں طرفین پر نہایت بھاری اور نازک ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے اور طرفین میں سے کسی کی بھی لغزش راہ کی دیوار بن جاتی ہے۔ ارادت میں فِسق سے مریدی فسق ہو جاتی ہے۔ پیر ناراض ہو جائے تو مرید کو مردود کر دیتا ہے۔ ان بھاری ذمہ داریوں اور احتیاطوں کے دباؤ سے حقیقی طلب یعنی ''طلب مولا'' کمزور ہو جاتی ہے خانہ پُری اور رسوم کی انجام دہی میں تو شدت رہتی ہے مگر روحِ سلوک مردہ ہو جاتی ہے اسی کو علامہ اقبال نے شیطانی حربہ کے طور پر یوں بیان کیا ہے کہ

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کردو نظام خانقاہی میں اسے

ورنہ حقیقی روحِ ارادت اور طلب مولا کو پختہ تر کرنے کے لیئے علامہ کے نزدیک ''آہ سحرگاہی'' لازم ہے فرماتے ہیں

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ راقم کی تحریر اور ابا جیؒ کے ارشاد میں خانقاہیت کی نفی سے مراد ''بے روحِ سلوک'' کے ظاہری رسوم کی نفی ہے اسی طرح ''پیر'' کے تصور سے دوری حقیقی پیر سے نہیں بلکہ محض رسمی پیرانہ طریقوں سے ہے جہاں دست بوسی، پابوسی، مسند نشینی، نذرانے، تحائف، تحکم، صرف رسم کے طور رہ جاتا ہے ورنہ حقیقی پیر تو سبحان اللہ ''پیران پیرؒ'' کی راہ پر ہوتا ہے ''جس کی خاک پا ہو جانے کا درس بھی ابا جیؒ نے ہی دیا ہے۔ آپ نے خانقاہ کی بے روح رسم پرستی سے بچنے اور بچانے کے لیئے اپنے سلسلہ کی بنیاد ارادت اور پیری و مریدی پر نہیں رکھی بلکہ طالب کو غوث پاکؒ کی غلامی سے منسلک کرنے کے بعد فقر کی راہیں طے کرانے کا طریقہ اختیار فرمایا۔

۲۔ مرید نہیں، غلام

ابا جیؒ کے سلسلہ میں طالب مرید نہیں سرکارؒ کا غلام ہوتا ہے۔ مرید اور غلام میں بڑا فرق یہ ہے کہ اگر مرید کی ارادت میں فرق آ جائے تو مریدی کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے مگر غلام اگر آقا کے پاس سے بھاگ بھی جائے تو بھی رشتۂ غلامی ٹوٹتا نہیں۔ اگر کسی نے خود کو ایک بار بطور غلام کسی کے حضور پیش کر دیا اور اس کی پیشکش قبول کر لی گئی تو پھر یہ رشتہ توڑنا غلام کے بس کی بات نہیں

رہتی اسی لیئے ابا جیؒ نے طالب کو ذمہ داریوں سے بچانے کے لیئے سلسلہ کی بنیاد مریدی و پیر پر نہیں غلامی پر رکھی کہ جو غلام ہو گیا وہ ہو گیا۔ اب آزاد ہونا اس کے اختیار میں نہیں!

راقم نے ابا جیؒ کے سلسلے میں لفظ غلامی کی ایک نسبت یہ بھی محسوس کی ہے کہ جس طرح روحانی سلسلے بانیٔ سلسلہ کے نام سے وابستہ کر کے بیان کیئے جاتے ہیں اسی طرح اگر ابا جیؒ کے سلسلہ کو بھی ابا جیؒ کے نام کی نسبت سے موسوم کیا جائے تو بھی یہ سلسلہ۔۔۔ ''سلسلۂ غلامی''۔۔۔ ہی موسوم ہوگا کہ حضرت ابا جیؒ کا پیدائشی اسم مبارک ''غلام محمدؒ'' اور بعد میں سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے ''غلام احمدؒ'' ہے اس لیئے ان کا سلسلہ بھی غلامی کا سلسلہ ہے

عرض مدعا یہ ہے کہ ابا جیؒ کا سلسلہ اس لیئے انوکھا ہے کہ اس میں سرکارؒ کے علاوہ کوئی پیر نہیں اور سب غلام ہیں کوئی مرید نہیں اور ہر غلام کی باطنی راہ فقیری کی راہ ہے کہ ابا جیؒ ایک فقیر کامل بلکہ عالم فقر کی چھٹی عظیم ہستی ہیں۔

انہیں کی ذاتِ اقدس مظہر اوج فقیری ہے
عجب اندازِ محبوبی ہے شانِ بے نظیری ہے
وہ ان کا سلسلہ جس میں مریدی ہے نہ پیری ہے
غلامی ہے، محبت ہے، کرم ہے، دستگیری ہے
بہار شاخ طوبیٰ ہے سرور موج کوثر ہے
مرے سرکار غوث پاکؒ کے محبوب کا ہے

براہ راست غلامی کے حوالے سے یہ یاد دہانی بے محل نہ ہوگی کہ اباجیؒ نے حیات ظاہرہ میں یہ واضح اعلان کردیا تھا کہ میرے سلسلے میں ''جو صاحبِ اجازت پیر بنے گا سلسلہ کرم اس پر ختم ہو جائے گا اور اس سے آگے نہ بڑھے گا۔ پیروں کی طور طریقے اپنانے سے فرد کی اپنی ذات کے لیئے کوئی خرابی نہیں ہے سوائے اس کے اس سے سلسلۂ غلامی آگے نہیں بڑھے گا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم پیر نہیں سرکار ﷺ کے غلام ہیں اور غلام ''پیر'' نہیں ہوتا پیری سرکارؐ کو ہی زیب دیتی ہے آپؒ نے پیر نہ بننے کے معنیٰ اپنے عمل و بیان ہر دو سے واضح فرمائے تھے۔ کہ مسند نشینی، دست بوسی، پابوسی، نیابت کا نسلی میراث ہونا، نذرانے قبول کرنا اور دستار بندی وغیرہ پیروں کا طریقہ ہے جو غلام کو زیب نہیں دیتا اور جس کی اباجیؒ کے سلسلے میں کوئی گنجائش نہیں اگر کوئی صاحب اجازت پیر بننے کی کوشش کرے گا تو اس کے معنیٰ دراصل سرکار کے تسلسل غلامی سے دستبرداری ہوگا۔ جس کے بعد اس کو یہ حق نہیں رہے گا کہ وہ کسی کے لیئے سرکارؐ کے حضور عطائے غلامی کا سفارش گزار بن سکے۔ یعنی سلسلۂ کرم اس سے آگے نہ بڑھے گا۔

۳۔ نسبت اویسی

نسبت اویسی کسی بزرگ اور کامل شخصیت سے کسی شخص کی ایسی براہ راست باطنی نسبت کو کہتے ہیں کہ جہاں فصل زمانی کے سبب یا دیگر اسباب

سے عالم ظاہر میں تو ملاقاتِ باہم نہ ہو مگر باطنی اور روحانی قرب ایسا ہی ہو جیسا مقرّب وہم نشین کا ہوتا ہے ایسی نسبت چونکہ حضرت اویس قرنیؓ کو سرکار دوعالم ﷺ سے تھی اس لیئے ایسے قرب ونسبت کو حضرت اویس قرنیؓ کے نام سے موسوم کر کے نسبت اویسی کہتے ہیں۔ اولیائے کرام میں ایسی معروف اور بڑی نسبتوں کے دو(۲) حوالے عام طور سے کتب روحانیات وسلاسل میں ملتے ہیں۔

پہلی معروف نسبت اویسی حضرت غوث پاکؒ کو حضرت احمد بن حنبلؒ سے تھی جبکہ ان دونوں بزرگ ہستیوں میں زمانی فصل تقریباً ڈھائی سو سال ہے۔ اسی طرح حضرت بہاالدین نقشبندیؒ کو نسبت اویسی حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ سے ہے یہی نسبت اویسی حضرت اباجیؒ کو حضرت غوث اعظمؒ سے ہے جب حضرت غوث پاکؒ نے سلسلۂ قادریہ جاری کرنے کے لیئے حضرت اباجیؒ سے فرمایا تو آپ نے کہا یا سیّدی یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ پھر سرکارؒ نے ارشاد کیا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ حضرت اباجیؒ کے ارشاد پر سرکارؒ نے درج ذیل باتیں بھی قبول فرمائیں۔

الف: اس سلسلے میں داخل ہونے والا کوئی شخص مرید نہیں بلکہ سرکارؒ کا غلام ہوگا۔

ب: داخل سلسلہ ہونے والا کوئی غلام تارک دنیا نہیں ہوگا۔

ج: کسی غلام پر مجذوبیت طاری نہیں ہوگی۔

د: داخل سلسلہ ہر شخص کا براہ راست تعلق (اباجیؒ کی نسبت سے) حضرت غوث پاکؒ سے ہوگا۔

حضرت ابا جیؒ کے سلسلے کی دو خصوصیات ایسی ہیں جن کی بنیاد پر حضرت ابا جیؒ اس سلسلے کو انوکھا سلسلہ کہتے تھے اوّل یہ کہ ہزار سال بعد بھی آنے والے غلام کا تعلق نوافل پڑھانے والے صاحب اجازت کے ذریعہ براہ راست ابا جیؒ اور غوث پاکؒ سے ہوگا اور درمیان کی تمام کڑیاں غائب ہوں گی۔ دوسری بڑی خاص بات یہ ہے کہ سلسلے میں داخل ہونے اور قائم رہنے کا انحصار طالب کی ارادت پر نہیں بلکہ سرکارؒ کی قبولیت پر ہوگا اور جب تک سرکارؒ ہی اسے ''رد'' نہ کردیں وہ داخل سلسلہ رہے گا۔ اور سرکار غوث پاکؒ کسی کو غلامی عطا کرنے کے بعد یہ اعزاز غلامی واپس نہیں لیتے جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے کبھی بھی کسی بھی کلمہ گو کو امت سے خارج نہیں فرمایا سوائے ان منافقین کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خارج کردیا۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ یہ سرکاری سلسلہ تبلیغی نہیں ہے کہ غلامی تبلیغ سے نہیں سرکارؒ کی قبولیت سے ملتی ہے اور ابا جیؒ کے ارشاد کے مطابق یہ غلامی تو ازل میں ہی عطا ہو چکی ہے غلامی جس کا نصیب ہے وہ بہرحال آ ہی جائے گا ایک روایت کے مطابق سرکارؒ نے فرمایا کہ میں اگر چاہوں تو قیامت تک آنے والے غلاموں کی فہرست بتادوں۔ راقم نے حضرت ابا جیؒ کی ایک منقبت میں غلامی کے لیئے عرض کیا ہے۔

یہ وہ نعمت نہیں جو اہتمامِ زر سے ملتی ہے
نہ تو سعی و عمل سے اور نہ چشمِ تر سے ملتی ہے
متاع دین و ایماں دین کے رہبر سے ملتی ہے
غلامی غوث اعظمؒ کی جو ان کے در سے ملتی ہے

وہ ''اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ'' کا ستعارہ ہے
فقط تیری تمنا ہے فقط تیرا سہارا ہے

۴۔ مرکز کی اہمیت

باسط صاحبؒ اکثر فرماتے تھے مرکز کو مضبوطی سے پکڑے رہو، کون شخص مرکز سے کیا مراد لیتا ہے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست وہابیت میں مرکز صرف اللہ کی ذات ہے۔ بریلوی روّیہ کے مطابق اللہ تو مقصود ہے۔ مرکز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ذات گرامی ہے کہ **آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر نہ اللہ ملتا ہے نہ اللہ والے**۔ سلسلے کے حوالے سے مرکز کا اشارہ بانیٔ سلسلہ کی طرف ہوتا ہے ہمارے سلسلہ میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ ''مراد'' غوث پاکؒ کی ذات ہے اور کوئی کہے گا کہ بانیٔ سلسلہ تو اباجیؒ ہیں اور جاننے والے جانتے ہیں اور ماننے والے مانتے ہیں کہ سرکارؒ نے اباجیؒ کے لیئے فرمایا ''**یہ اور ہم ایک ہیں**''۔ راقم کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ مرکز کا مفہوم سیاق وسباق کی نسبت سے سمجھنا چاہیئے۔ جس صورت حال کے حوالے سے باسط صاحبؒ ''مرکز کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی بات کرتے تھے اس کا پس منظر بعض جوشیلے معتقدین کا یہ روّیہ تھا کہ وہ جس کے ذریعہ نوافل پڑھ کر داخل سلسلہ ہوئے تھے جوشِ محبت میں ان کی نظر اس سے آگے نہ بڑھتی تھی۔ خانقاہی مزاج والے کہتے تھے۔ کہ ''موجودہ پیر گذرے ہوئے پیر سے زیادہ اہم ہے۔'' یہ بات پیری مریدی کے سلسلہ میں درست ہوسکتی ہے غلامی کے لیئے نہیں اور باسط صاحبؒ کے فرمانے کا مقصد بھی یہ ہی تھا کہ کوئی کتنا ہی

صاحب منصب واختیار ہو نظر کسی کے اختیار پر نہیں سرکار اباجیؒ کے کرم پر رہنی چاہیئے ہزار محبت احترام اور عجز کے باوجود اباجیؒ کے بعد آنے والے مرکز کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کے اصول پر کار بند ہوتے تو گروہ بندیاں اور حلقوں کی تقسیم بھی نہ ہوتی اسی حوالے سے باسط صاحبؒ نے خود کو بھی اور راقم کو بھی ''سلسلہ کا وہابی کہا تھا''۔ سلسلہ کا وہابی کہنے سے آپ کی مراد خدانخواستہ بدعقیدگی نہیں تھی بلکہ سلسلہ کے مرکز یعنی اباجیؒ اور سرکارؒ سے راست تعلق پر اعتبار تھا کہ جس کی راہ میں داخل سلسلہ کرنے والے صاحب اجازت یا اس کے اس پیش رو بزرگوں کی محبت یا اس کی ذات سے وابستگی اور لگاؤ سرکار اباجیؒ سے غلام کے تعلق میں حائل نہیں ہو سکتا۔

غرض یہ کہ اباجیؒ کی ہم نشینی کا شرف رکھنے والوں کے حلقہ بگوشوں کے غیر محتاط رویّوں سے زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ بعض غلام بھائیوں کے مراقبوں میں حضرت اباجیؒ نے فرمایا کہ میرا سلسلہ تو بہت سیّدھا سادہ تھا مگر لوگوں کے مزاج کے اختلاف نے پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔

اگر بعد والے لوگ بھی براہ راست نسبت اور مرکز سے وابستگی کے اصول کو اپنائے رہتے تو آج نقشہ کچھ اور ہوتا۔ بعض جذباتی لوگوں نے اپنی محبت اور عقیدت کا مرکز ''نفلیں پڑھا کر داخل سلسلہ کرنے والی ذات کو ہی سمجھنا شروع کر دیا اور وابستگی و محبت کا رخ ''مرکز سے محیط کی طرف ہونے لگا اس سے فاصلے اور بڑھنے لگے۔ نفلیں پڑھا کر داخل سلسلہ کرنے والی ہستی بے شک داخل سلسلہ ہونے والے غلام کے لیئے بہت اہم ہوتی ہے مگر اس کی

اہمیت نفلین پڑھنے والے کی ذات تک ہے اس کی اہمیت سے مرکزی نسبت کمزور نہیں ہونی چاہیئے۔ باسط صاحبؒ فرماتے تھے کہ اب سے ڈھائی سو سال بعد بھی اگر کوئی غلام داخل سلسلہ ہوگا تو اس کا تعلق نوافل پڑھانے والے کے ذریعہ راست اباجیؒ اور سرکارؒ سے ہوگا بیچ کے تمام واسطے غائب ہوں گے۔ اباجیؒ کے عرس شریف کے موقع پر راقم ہر سال گیارہ بند پر مشتمل ایک منقبت کہہ کر مزار شریف پر چادر چڑھاتے وقت با آواز بلند پڑھتا تھا ایک منقبت کا درج ذیل بند جب راقم نے پڑھا تو لوگوں پر بڑی خود رفتگی کی کیفیت طاری ہوئی اور کئی دن تک باسط صاحبؒ کے علاوہ اکثر لوگ وہ بند پڑھ پڑھ کر سر دھنتے رہے مگر باسط صاحبؒ نے اس پر کوئی اظہار پسندیدگی نہیں فرمایا بند یہ تھا:

یقینِ کرم، عاجزی، حوصلہ

ہے جہاں سے نرالا یہی سلسلہ

یہ ملے، وہ ملے، وہ ملے، وہ ملا

ملائی ہے کیسی کڑی سے کڑی

اباجیؒ، اباجیؒ، اباجیؒ، اباجیؒ

جب راقم نے باسط صاحبؒ سے اس سب کے پسندیدہ بند پر سکوت کا سبب دریافت کرنا چاہا تو فرمانے لگے۔۔۔ فائق صاحب! اباجیؒ کے سلسلہ کا انوکھا پن تو یہی ہے کہ یہاں کڑی سے کڑی نہیں ملتی تعلق براہ راست سرکار اباجیؒ سے ہے۔۔۔ یہ بات سن کر راقم دم بخود رہ گیا

اور مصرع تبدیل کر کے یوں کہا کہ:

آپ جس کو ملے اس کو سب کچھ ملا
پھر نہ فاصل کوئی اور نہ واصل کوئی

جیسا کہ بیان کردہ باسط صاحبؒ کے رویّہ سے ظاہر ہے کہ ان کی فکر اور اصول ہمیشہ جذباتیت پر حاوی رہے اس لیئے وہ پورے سلسلے میں اکیلے ہی آدمی تھے اور ان سے حضرت اباجیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا بھی یہی تھا کہ۔۔۔ ''ماسٹر تو اکیلا ہے''۔۔۔اس کے علاوہ چند اور جملے جو اباجیؒ نے باسط صاحبؒ سے کہے تھے وہ بھی اہم تھے فرمایا تھا:

☆ ''ماسٹر تقویٰ کر اور گھر کا مالک بن جا''

☆ تجھے تیری ماں کی دعائیں کافی ہیں

☆ تیرے لیئے میرا کہا ہوا ''اللہ کا کہا ہوا ہے'' اور شاہ جی کا کہا ہوا رسول ﷺ کا کہا ہے۔

☆ اپنی ٹوپی عطا کرتے وقت فرمایا تھا۔۔۔''تاج وہ گیا۔۔۔ وہ گیا۔۔۔وہ گیا''۔

☆ اپنا لباس عطا کر کے ایک موقع پر کہا تھا کہ یہ لباس پہن کر جانا، رہی شکل تو وہ وقت پر ہو جائے گی اس ارشاد کا کیا مفہوم تھا کون سمجھے اور اس طرح کی اور نہ جانے کیا کیا راز کی باتیں تھیں جو آج بھی راز ہیں۔۔۔

۴۔ اپنی نفی

آج کل مغربی تہذیب جو ''تحفظ انا'' اور وقار ذات یا عزّت نفس کا درس

دے رہی ہے وہ فی الاصل بندہ کو مقام ''عجز'' سے ہٹا کر'' کبر'' پر مائل کرتا ہے جو دراصل اسلامی عقیدے اور تقاضۂ عبدیت کے خلاف ہے یہ ایک مسلمہ ابدی حقیقت ہے کہ'' **کبرائی خالق اور عجز مخلوق کے لیئے** ہے'' سرکارﷺ نے اسی واسطے''عبدِ عاجز'' کا لقب اپنے لیئے پسند کیا تھا اور ابلیس نے عجز کو ترک کر کے'' کبر'' کو اپنایا تھا کہ وہ مردود ہوگیا۔ چنانچہ راہ معرفت وسلوک میں چلنے کے لیئے'' ترک کبر'' اور'' اعتراف عجز'' لازم ہے جس کو اصطلاحاً نفیٔ ذات یا اپنی نفی کہا جاتا ہے۔

ویسے تو تمام ہی سلسلوں میں اپنی نفی کا درس دیا جاتا ہے مگر ابا جیؒ کے سلسلے کا نعرہ اپنی نفی کے ساتھ سرکار دو عالمﷺ کی ذاتِ پاک کی اثبات بھی ہے۔۔۔'' میرا ماہی صلّی علیٰ، مَیں کچھ بھی نہیں''۔۔۔ راقم تو ابا جیؒ کے اس فرمان کو'' کلمۂ طیبہ'' کا لازمہ قرار دیتا ہے۔ کلمۂ طیبہ میں کل کی نفی کر کے ذاتِ باریٔ تعالیٰ کی اثبات ہے'' لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہ '' اور اس کے آگے'' مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰہ '' کی معنوی تعبیر کے طور پر سرکارﷺ کی'' اطاعت واتباع کے حوالے سے''،'' میں کچھ بھی نہیں'' کہنا لازم آتا ہے۔ اور میں کچھ بھی نہیں کے مقام پر اگر کوئی شخص واقعی فائز ہوجائے تو صلّ علیٰ کے فیض سے وہ منزل نصیب ہوتی ہے جس کا اشارہ منور بدایونیؔ کے شعر سے ملتا ہے کہ:

فقط میری صدا ہے، میں نہیں ہوں
یہاں وہ بولتا ہے، میں نہیں ہوں

باسط صاحبؒ کی رہائش جامعہ ملیہ ملیر کے ایک کواٹر میں تھی جس کے دو کمروں میں سے ایک کمرہ بیوی بچوں کے لیئے، گیلری کا ایک کمرہ نما حصہ ''اماں'' کے لیئے اور بڑا کمرہ غلام بھائیوں کے لیئے تھا جہاں ایک مرتبہ حضرت ابا جیؒ بھی تشریف لے گئے تھے اور سیّد شبیر علی قادریؒ اور اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کا آنا جانا اور قیام تو بالعموم رہتا تھا جس میں مرتضیٰ شفیعؒ اور برنی صاحبؒ بھی شامل رہتے تھے اس سادے سے کمرے کے دروازوں اور کھڑکیوں پر نہ پردے تھے نہ کوئی دوسرا سامانِ آرائش مگر ایک طغرہ وہاں ضرور آویزاں تھا جس پر ریشمی کڑھائی سے لکھا ہوا تھا۔

اَنَاعَبۡدُہٗ وَلَیۡسَ لِلۡعَبۡدِ مَعَ سَیِّدِہٖ اِخۡتِیَارٌوَّ لَااِرَادَۃ

یہ حضرت غوث پاکؒ کا ارشاد تھا جس کا ترجمہ ہے کہ ''میں اس کا بندہ ہوں اور نہیں ہے بندے کے لیئے اپنے آقا کے سامنے کوئی اختیار یا ارادہ''

اگر غور کیجیئے تو ابا جیؒ کا دیا ہوا سبق دراصل اسی ارشاد کا۔۔۔اردو ترجمہ یا خلاصہ ہے۔

ایک مرتبہ اپنے آخری دور میں راقم کو مخاطب کر کے باسط صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ ''فائق صاحب ابا جیؒ کا پورا سلسلہ گھوم آؤ۔ ''اَنَــا عَبۡـدُہٗ'' یہیں ملے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ ''اَنَــا عَبۡـدُہٗ'' اور میں کچھ بھی نہیں'' کے ارشادات سے بڑھ کر نفی ذات کے لیئے کوئی دوسرا اورد نہیں ہے۔ اور یہ ورد ''اِلّا لـلّٰـہ'' اور ''صَلِّ عَلٰی '' کے ساتھ تو سونے پر سہاگا ہے جو ابا جیؒ کے سلسلہ کا بنیادی اصول یا نعرہ ہے۔

۶۔ دین کے ساتھ دنیا

باسط صاحبؒ کا ایک منفرد رویہ یہ تھا کہ وہ راہِ دین میں کسی کو چلانے سے قبل اس کی دنیاوی حالت پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ پندرہویں صدی ہجری والے لوگ تنگ دستی قرض ادھار اور بھوک پیاس کی عدم تسکین کے ساتھ دینی تقاضوں کی تکمیل اور مجاہدہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اس لیئے وہ راہ دین میں چلنے والے کی بنیادی دنیاوی ضروریات کی تکمیل کو نظر انداز نہیں کرتے تھے کہ موجودہ صدی میں فاقہ کشی کے ساتھ دینداری کا تصور مشکل ہے اور اباجیؒ کا بھی اصول غلاموں کے لیئے یہ ہی تھا کہ اول طعام بعدہٗ قیام۔ اسی لیئے آپ کے کرم کی شان صرف دین کی عطا تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ دین و دنیا دونوں پر محیط تھی۔ آپ یہ تو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی بھی طالب ''طلب دنیا'' لے کر بیٹھے مگر یہ ضرور تھا کہ غلاموں کی فلاحِ دین و دنیا ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی اور آپ نے سرکارؒ سے غلاموں کے تارک دنیا نہ ہونے کی بھی درخواست کی تھی۔ عام طور سے فقراء دنیا کو لڑکی سے اور دین کو لڑکے سے تعبیر کرتے ہیں مگر اباجیؒ نے فرمایا کہ ''دین اور دنیا دونوں بہنیں ہیں اور یہ حق ہے کہ فقراء و کاملین کی طلب دنیا اور دین دونوں سے بڑھ کر ''طلبِ مولا ہوتی ہے''۔ **دراصل دنیاوی زندگی کا مقصد آخرت بنانا ہے اور اس کا ذریعہ دین ہے**۔۔۔ مطلوب نہ دنیا ہے نہ دین

بلکہ اللہ کی رضا مطلوب ہے جس کا لازمہ آخرت کی کامیابی ہے اور فیض دین ودنیا کے حقیقی معنیٰ یہی ہیں کہ اس کے ذریعہ رضائے الٰہی اور فلاح اخروی حاصل ہو۔ بہت سے دینی سلسلے اور طریقے (ابتلائے دنیا سے بچنے کے لیئے) صرف فیض دین پر زور دیتے ہیں مگر ابا جیؒ کے سلسلے میں دینی پابندیوں اور عبادتوں جیسی ہی اہمیت ''کسبِ حلال'' یعنی محنت کی جائز کمائی کو بھی حاصل تھی اور آپ کا فیض وکرم دین ودنیا دونوں پر بسیط تھا۔ راقم نے اسی حوالے سے منقبت کے ایک بند میں کہا ہے۔

انوکھا سلسلہ تیرا انوکھی بات ہے آقا
ترے در کی غلامی دین کی سوغات ہے آقا
جہانِ معرفت میں تیری تنہا ذات ہے آقا
کہ جس کے در پہ فیض دین و دنیا ساتھ ہے آقا
تری اس شانِ یکتائی پہ دنیا کو حیرانی
کرم یا اباجیؒ یا شمع بزم شاہ جیلانیؒ

راقم کو پوری طرح یاد ہے کہ جب داخلِ سلسلہ ہونے کے لیئے پروفیسر مرتضیٰ شفیعؒ کی معیت میں راقم اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں باسط صاحبؒ بھی تشریف رکھتے تھے اور انھوں نے قبل اس کے کہ نوافل پڑھائی جائیں یا اعلیٰ حضرتؒ کچھ ارشاد کریں باآواز بلند راقم کے لیئے ارشاد فرمایا کہ سرکارؒ پہلے دنیا مکمل کرینگے پھر دین مکمل ہوگا۔۔۔اور ایسا ہی ہوا۔

۷۔ سلسلہ یا برادری

کیا شانِ کرم اور شان عطا تھی جب کوئی طالب آپ کے فیض و کرم سے شرف غلامی حاصل کرتا تھا تو آپ فرماتے تھے کہ تم سرکارؒ کے غلام ہو گئے ''اَسی بھی سرکارؒ کے غلام ہیں'' ہم دونوں غلام بھائی ہیں اور سارے غلام ''بھائی بھائی'' ہیں آپ فرماتے تھے کہ سرکارؒ نے مجھے یہ برادری عطا کی ہے۔۔۔ ابا جیؒ کا سلسلہ اگر کوئی سمجھ سکے اور برادری کے معنیٰ اس کی سمجھ میں آ سکیں تو معلوم ہو گا کہ یہ سلسلہ سرکار دو عالم ﷺ کے عہد کی ''مواخات'' کا پرتو ہے۔

ابا جیؒ کا ارشاد تھا ''میری برادری اور سلسلہ میں فیض پہلی صدی والا ہے'' سرکاری پنجتنی فیض''۔ اور آج بھی جو صاحبانِ نظر ہیں اگر چشم باطن سے ''سرکاری پنجتنی فیض کے مفہوم کو سمجھنا چاہیں تو آنکھ بند کر کے کھلی حقیقت کا مشاہدہ کریں اور راقم کے اس بیان کی تصدیق فرمائیں کہ:

آپ ہی کے جلووں سے یہ بام و در ضوبار ہیں
روشنی ہی روشنی انوار ہی انوار ہیں
اس ادا سے جلوہ فرما برسرِ دربار ہیں
مسندِ محبوبیت پر جس طرح سرکارؒ ہیں
سب وہی رنگ تجلّی اور وہی جلوے تمام
السّلام اے تاجدار بزم عِرفاں السّلام

ایک باطنی معتبر نظر رکھنے والے صاحب بصیرت بزرگ نے راقم کو بتایا کہ عالم روحانیت میں ایک مقام ایسا ہے کہ جہاں اولیائے کاملین اپنے اپنے خیموں میں تنہا جلوہ افروز ہیں۔۔۔ حد یہ کہ سرکار غوث پاکؒ کے خیمے کے اندر بھی آپ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔۔۔ مگر واہ رے برادری بنانے والے۔۔۔ کہ ابا جیؒ کے خیمہ میں آپ کی برادری کے گیارہ افراد موجود ہیں۔

عالم ظاہر میں بھی ابا جیؒ کے سارے اہل سلسلہ باہم ایک دوسرے کو غلام بھائی کہتے اور سمجھتے ہیں خواہ وہ تولیدی رشتہ میں باہم باپ بیٹے ہی کیوں نہ ہوں بحیثیت غلام ''بھائی بھائی ہونا'' کیا یہ ''کُلُّ مُسْلِمٌ اَخْوَةٌ'' کے درس کی تجدید نہیں ہے۔ حضرت ابا جیؒ نے اس باہم برادرانہ نسبت کو قائم رکھنے کے لیئے ہی ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے پیر نہ سمجھنا میں بھی سرکارؒ کا غلام ہوں اور تم بھی۔۔۔ ''ہاں مجھ کو ابا جیؒ کہہ کرو''۔۔۔ اور اس کا اثر یہ ہے کہ بیٹے، پوتے، پڑپوتے اور ان کی اولادیں آپ کو دادا یا پردادا نہیں بلکہ ابا جیؒ ہی کہتی ہیں اور آپؒ پچاس نسلیں گزر جانے کے بعد بھی ابا جیؒ ہی رہیں گے:

آپ کے در سے ہم کو ملی روشنی
دھڑکنیں مل گئیں زندگی مل گئی
زندگی اور پھر پیار کی زندگی
سب کرم آپ کا سب عطا آپ کی

ابا جیؒ، ابا جیؒ، ابا جیؒ، ابا جیؒ

۸۔ پہلی صدی ہجری والا فیض

یوں تو تمام ہی روحانی سلاسل میں فیض روحانیت کا ہونا لازم ہے۔مگر اباجیؒ کے سلسلہ میں فیض پہلی صدی والا ہے۔ یہ جملہ بڑا پہلودار اور پُرمغز و کثیرالمعانی ہے پہلا اشارہ ''پنجتنی فیض'' کی طرف ہے۔دوسرا اشارہ ''براہ راست اور بلاواسطہ فیض کے لیئے ہے۔۔۔ایک اور نسبت فقرو عبدیت اور اویسیت کی ہے۔اور آخری اور اہم حوالہ تا قیامت جاری اور قائم رہنے والے فیض کا ہے۔راقم کی تعبیر یہ بھی ہے کہ ''جیسے سرکارﷺ کی پوری امت جنتی ہے اسی طرح اباجیؒ کی پوری برادری ''ناجی'' ہے جیسے سرکارص نے کسی کو امت سے خارج نہیں کیا اسی طرح غوث پاکؒ نے کسی کی غلامی کا اعزاز واپس نہیں لیا۔اور جس طرح چودہ سو سال گزرنے کے بعد آج بھی کسی ایمان لانے والے کا براہِ راست تعلق سرکارﷺ سے ہوتا ہے اسی طرح ہزار سال بعد بھی آنے والے غلام کا تعلق راست ''سرکار اباجیؒ'' سے ہوگا جیسے سرکار کے سارے اُمتی تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح اباجی کے غلام آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے لیئے ہر اللہ والے کی خاک پا ہونا باعث فخر جانتے ہیں۔

۹۔ سلسلہ کے اوراد و معمولات

ہر سلسلۂ سلوک میں اسلامی فرائض کی پابندی کے علاوہ سلسلہ کی نوعیت اور طالب کی راہ کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ خصوصی اوراد و وظائف کی ادائیگی سلسلہ کا طرّہ ٔ امتیاز ہوتی ہے اس حوالے سے اباجیؒ کے سلسلہ کے

بھی کچھ اوراد و معمولات ہیں جن کے پس پردہ یہ باطنی رمز پنہاں ہے کہ اباجیؒ راہ فقر میں طالب کو مجاہدات و ریاضت کی توانائی کے سہارے نہیں بلکہ محبت کی توانائی کے سہارے چلاتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں نے تم سب کے بدلے کے مجاہدات کر لیئے ہیں تم جتنی بھی کر سکو مجھ سے ''محبت کرو'' کہ یہ محبت حضرت غوث پاکؒ کو پہنچ کر سرکار دو عالم ﷺ کو اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو پہنچتی ہے۔ اس پس منظر میں اگر اباجیؒ کے سلسلے کے اوراد کا جائزہ لیا جائے تو سلسلہ کے سارے اوراد و معمولات قرآن حکیم کے حکم ''اَقِیْمُ الصَّلٰوۃ'' کی شرح ہیں اور از روئے قرآن حکیم ''صلٰوۃ یا تو نماز ہے یا درود'' ہے صلٰوۃ جب رسول پاک ﷺ اور آپ کی امت سے اللہ کے لیئے ہے تو نماز ہے اور جب اللہ اور فرشتوں سے رسول پاک ﷺ کے لیئے ہے تو درود'' اور اباجیؒ کے سلسلہ کے اوراد و معمولات بھی'' درود و نوافل کے علاوہ کچھ نہیں ہیں:۔

۱۔ درود غوثیہ

۲۔ درود تاج شریف سات مرتبہ بعد فجر، گیارہ مرتبہ بعد نماز عشاء

۳۔ درود اکسیر اعظم

۴۔ دو (۲) نوافل بعد مغرب گیارہ بار سورہ اخلاص کے ساتھ

۵۔ سو (۱۰۰) نوافل شعبان کی پندرھویں شب دس مرتبہ سورہ اخلاص

۶۔ نماز عصر کے بعد گیارھویں شریف کا ختم

۷۔ نماز مغرب کے بعد جمعرات کا ختم

۸۔ قصیدہ روحی، قصیدہ غوثیہ اور سرکار کے اسماء

۹۔ امداد کن امداد کن۔۔۔!

۱۰۔ میرا ماہی صلِ علیٰ میں کچھ بھی نہیں کا ورد

۱۱۔ اپنے اور غلام بھائیوں کے لیئے غلامی کی سلامتی اور فلاح دارین کی دعائیں۔

مندرجہ بالا کی مختصر شرح یہ ہے کہ جس طرح نماز کا حکم ہر مومن اور مومنہ کے لیئے ہے اسی طرح درود کا حکم بھی تمام ایمان لانے والوں کے لیئے ہے مگر فرق یہ ہے کہ نماز کے اوقات مقرر کردیئے گئے ہیں درود شریف کے لیئے وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔ درود شریف بغیر نماز کے بھی مقبول ہے مگر نماز بغیر درود مقبول نہیں۔ **نماز صرف مومنین پڑھتے ہیں درود خود اللہ اور اس کے فرشتے بھی بھیجتے ہیں** اسی لیئے اباجیؒ کے سلسلے میں درود ابراھیمی کے علاوہ درود غوثیہ، درود تاج اور درود اکسیر اعظم کا بھی ورد ہے۔ درود غوثیہ اور درود اکسیر اعظم (جو معجز نما دہ سورہ میں موجود ہے) حضرت غوث پاکؒ کے لکھے ہوئے ہیں اور درود تاج پر سرکارؐ نے اباجیؒ کو تصرف خاص عطا فرمایا ہے اباجیؒ نے فرمایا تھا کہ کوئی بھی شخص خواہ مجھ سے واقف ہو یا نہ ہو، دنیا کے کسی بھی حصہ میں اگر درود تاج پڑھ رہا ہے تو اس کو میرا فیض پہنچ رہا ہے۔ اباجیؒ کے اہل سلسلہ کے لیئے بعد نماز فجر سات مرتبہ اور بعد نماز عشاء گیارہ مرتبہ ہے۔ اکابرین سلسلہ سے سنا ہے کہ بعد فجر سات مرتبہ درود تاج شریف فلاح دنیا اور بعد نماز عشاء گیارہ مرتبہ فلاحِ دین و آخرت کے لیئے ہے۔

بعد نماز مغرب دو نوافل گیارہ گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص کے ساتھ اور شعبان کی پندرہویں شب سو (۱۰۰) نوافل دس، دس مرتبہ سورۂ اخلاص کے ساتھ ہیں۔

ختم شریف جمعرات کا ہو یا گیارہویں کا اس کا طریقہ ایک ہی ہے۔

جمعرات اور گیارہویں کے علاوہ مخصوص غلام حسب مراتب ''پیر'' کو بھی انفرادی ختم شریف پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جمعہ کی صبح درود اکسیر اعظم کا ورد ہے نیز قصیدۂ غوثیہ اور قصیدۂ روحی کا بھی ورد ہے اور سرکارؒ کے اسما ''یا حضرت قطب ربانی۔۔۔سے شیئً اللہ تک''۔ اَسما کا ورد باوضو کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مشہور مرصع ''امداد کن امداد کن کا ورد عام ہے اور ختم شریف کے آخر میں دعائیہ کے طور پڑھنے کی محکم روایت ہے۔''

سطور بالا میں سلسلہ کے اوراد و معمولات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اگر منطق وفقہ کی اصطلاح میں سلسلہ کے اوراد و وظائف کو اوامر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ امر کے معنی کام یا حکم کے ہیں اور ''اوامر'' اس کی جمع ہے جو ایسے افعال واعمال، اوراد و معمولات و وظائف کے لیئے ہے جن کا کرنا لازم آتا ہو۔۔۔اور وہ کام جن کا نہ کرنا لازم قرار دیا گیا ہو ''منہیات'' کہلاتے ہیں یہ ''منہی'' کی جمع ہے جس کے معنی ''ممنوع یعنی منع کیئے ہوئے کے ہیں یہ اوامر کی ضد ہے اس کی تعریف میں وہ سارے افعال واعمال آتے ہیں جن کا ''نہ کرنا'' لازم ہو۔ اباجیؒ کے سلسلے کے ''انوکھے پن'' اور ''برادری'' کی شان نیز ''غلامی'' اور براہ راست سرکارؒ سے نسبتِ اولیٰ'' کے حوالے سے ایسے بہت سے کام اور رویّہ ممنوع قرار دیئے گئے ہیں جو ''پیری مریدی'' والے سلسلوں کی روایت رہے ہیں۔ ذیل میں ان ممنوعات کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا

جارہا ہے راقم نے اس حوالے کی تحریر کو ''سخن گسترانہ بات'' کا عنوان اس مصرعہ کے پس منظر میں دیا ہے کہ ''مقطع میں آ گئی ہے سخن گسترانہِ بات''یعنی یہ کہ اس تلخ بیانی کے ساتھ تحریرِ ھذا کا اختتام بھی ہوتا ہے

سخن گسترانہ بات

ا۔ دست بوسی

ہم میں سے اکثر لوگ ایسے بہت سے روایتی کام کرنے کے عادی ہو چکے جن کے معنی ومفہوم مقصدیت سے بالکل آگہی نہیں ہوتی مگر اس پر عمل پیرا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ہم میں سے کتنوں کو علم ہے کہ دست بوسی کیوں کی جاتی ہے اور اس کا آغاز کس طرح ہوا حقیقی باطنی نظر رکھنے والے جانتے اور دیکھتے ہیں کہ بعض صاحب، مرتبہ بزرگ اس مقام ومنزل پر فائز ہوتے ہیں جہاں ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگشت شہادت کے جوڑ پر ہاتھ کی پشت سے نور کی شعائیں خارج ہوتی ہیں جن اہل نظر کو یہ بصارت و بصیرت نصیب ہے وہ ان نوری شعاؤں کو بوسہ دینے کا شرف حاصل کرتے ہیں یہ اعزاز نہ تو ہر پیر کو حاصل ہوتا ہے اور نہ یہ بصارت ہر طالب کا حصہ ہے مگر بھولے بھالے لوگ نا سمجھی میں صاحبانِ نظر کی اندھی تقلید کرتے ہیں جواب سلسلوں کی روایت بن چکی ہے۔ حقیقی معنوں میں یہ رشتہ صاحب مرتبہ پیر اور صاحب نظر مرید کے مابین ہوتا ہے۔ مگر اباجیؒ کے سلسلے میں پیر تو صرف ''پیرانِ پیر'' ہیں اس لیئے کسی غلام کو کسی غلام کی نہ تو دست بوسی کرنی

چاہیئے اور نہ کسی صاحبِ اجازت کو دست بوسی کرنے کی اجازت دینی چاہیئے کہ یہ عمل غلام کو زیب نہیں دیتا بلکہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ اسی لیئے ابا جیؒ نے اس کی سختی سے مخالفت فرمائی ہے اور کسی کو کبھی بھی دست بوسی کی اجازت نہیں دی۔۔۔اب ایسا کرنے اور کروانے والے سوچیں کہ وہ اس بے معنی اور ممنوعہ روایت پرستی پر عمل کر کے ابا جیؒ کی حکم عدولی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے ہیں۔ راقم نے دست بوسی سے دور رہنے کے اصول پر ابا جیؒ کے سلسلے کے صرف دو صاحبان اجازت ہم نشینوں کو سختی سے عمل پیرا دیکھا ہے جن میں پہلا نام قادر بھائی جانؒ اور دوسرا نام سیّد باسط علی جعفریؒ کا ہے باقی سارے صاحبان حلقہ اسی حوالے سے خانقاہی روایت کے حامل رہے ہیں۔ کہ نوری شعاؤں کو بوسہ دینے کی تقلید میں گوشت پوست کو بوسہ دینے کے عادی ہو گئے ہیں۔

۲۔ گدّی نشینی

گدّی نشینی کے لفظی معنیٰ تو روئی، چمڑے یا فوم کی نرم و نازک چیز پر بیٹھنے کے ہیں مگر اس کا امتناع اصطلاحی مفہوم میں ہے۔ سلاسل کی محفلوں میں پیرانِ وقت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ آنے والے اجنبی لوگوں کو شناخت کی سہولت بہم پہنچانے کے لیئے محفل میں مریدوں کی عام نشستوں سے متمیّز جگہ پر مسند بنا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اصطلاحاً اس امتیازی طرز نشست یا مسند پر بیٹھنے کو گدی نشینی کہا جاتا ہے جو خانقاہی نظام میں پیری و مریدی کے حوالے سے ایک محکم روایت بن چکی ہے۔ ابا جیؒ کا سلسلہ چونکہ پیری مریدی کا سلسلہ نہیں ہے سرکارﷺ کی راست غلامی کا سلسلہ ہے اس لیئے یہاں غلاموں میں کوئی ظاہرہ امتیاز نہیں برتا جاتا بلکہ برادرانہ رشتے کو تقویت دینے کے لیئے سب کی

نشست و برخاست کے طور طریقے ایک جیسے ہیں۔ حضرت ابّا جیؒ نے صرف قول سے ہی نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی اسی مساوات کا درس دیا ہے کہ کوئی اجنبی اس محفل میں آکر چشمِ ظاہر سے غلام اور آقا میں تفریق نہیں کر پاتا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں ابّا جیؒ اور قادر بھائی جان دنوں ہی خود کو سرکارؒ کے غلاموں کا خدمت گزار کہتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ خلاف معمول ابّا جیؒ غلاموں کو ختم شریف والے کمرہ میں بیٹھا چھوڑ کر کمرہ سے باہر تشریف لے گئے۔ قادر بھائی جان یا کسی دوسرے غلام نے کمرے سے باہر نکل کر دیکھا کہ کمرے میں موجود غلام بھائی جو اپنے جوتے کمرے سے باہر اتار گئے تھے ابّا جیؒ ان غلاموں کے جوتے سیدھے کر کے ترتیب سے رکھ رہے ہیں (یا شاید بارش میں بھیگنے سے بچا رہے ہیں) کیا اوّل سے آخر تک کوئی دوسرا ایسا بانی سلسلہ گزرا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں یہ صرف ابّا جیؒ تھے جو دوسروں کی طرح خود کو غوث پاکؒ کا غلام کہہ کر غلامی کے سارے آداب کی تعمیل کرتے تھے۔
اب سوچئے کیا ایسے آقا کے غلاموں کو گدّی نشینی زیب دیتی ہے۔ قادری منزل پر قادر بھائی جان کی نشست کے لیئے جو ایک جگہ مقرر ہو گئی تھی۔ یہ وہ تھی جس پر نیابت کا اعلان کرتے وقت سیّد شبیر علی قادریؒ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو بیٹھایا تھا۔ اس جگہ کی تخصیص کے علاوہ قادر بھائی جانؒ کی حیاتِ ظاہرہ میں راقم نے گدّی نشینی کی کوئی دوسری علامت نہیں دیکھی اس وقت ابّا جیؒ کے سلسلے کے جو ساتھ، آٹھ حلقے بن چکے ہیں ان میں مسند نشینی کا کیا رنگ ہے راقم واقف نہیں ہے۔ اگر کہیں ہے تو اسے ترک کر دینا چاہئے اور اگر نہیں ہے تو آئندہ کے لیئے محتاط رہنا ضروری ہے۔ جن حلقوں میں اس حوالے سے کمزور رویّہ نظر آتا ہے ان کو اصلاح کی ضرورت ہے۔

۳۔ ہدیات اور نذرانے

یوں تو ہدیات اور نذرانہ ربط باہم کو محکم کرنے کا ایک مستحسن عمل ہے مگر اس کا یک طرفہ ہونا اچھی روایت نہیں ہے۔ اگر سلاسلِ طریقت کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو وہاں سے ہی یک طرفہ نذرانوں کا آغاز دینی معاملات میں ہوا ہے ورنہ شاہی اور نوابی درباروں کی بھی یہ پرانی روایت ہے اور وہاں بھی نیک دل شاہان و نوابین کم وبیش نذرانہ قبول کرنے کے ساتھ بخشش کے طریقے بھی جاری رکھتے تھے۔ مگر خانقاہی روایت نے اس کو نہ صرف یک طرف بنایا بلکہ مسند نشینوں کو اس کا حق دار بنا دیا جس کا انجام یہ ہوا کہ اکثر خانقاہوں میں مسند نشینوں نے محنت کی کمائی ترک کر کے مریدوں کے نذرانوں کو ہی اپنے معاش کا ذریعہ بنا لیا۔ اباجیؒ نے اپنے سلسلے کے صاحبانِ اجازت و اکابر کو یک طرف نذرانہ قبول کر کے محنت کی روزی سے گریز نہ کرنے کا درس دیا ہے۔ راقم جانتا ہے مگر نشاندہی کرنے سے گریز کر رہا ہے کہ اباجیؒ کے سلسلے میں خانقاہیت اور پیری مریدی کا پس منظر رکھنے والے اکثر حلقے۔ نذرانے قبول کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں البتہ قادری منزل کا رویہ ابتداء سے آج تک اس معاملے میں نہایت احتیاط والا ہے وہاں آج بھی یہ انداز ہے کہ اگر کوئی غلام کھانے پینے کی بھی کوئی چیز لے کر حاضر ہو تو اباجیؒ۔ قادر بھائی جان اور ثانی بھائیؒ کی طرح "ربانی میاں" بھی اس کو ختم شریف میں تبرک بنا کر غلاموں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اگر آج بھی اباجیؒ کے سلسلے کے کچھ منقسم حلقے یک طرفہ نذرانہ قبول کرنے کی روایت کو جائز سمجھتے ہیں تو وہ سرکارؐ کی عطائے دین و دنیا پر بھروسہ کر کے نذرانوں پر گزر اوقات سے گریز کریں۔

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ

۴۔ درمیانی وسیلے

ابا جیؒ کا سلسلہ سرکارؒ سے براہ راست اویسی نسبت اور غلامی کا سلسلہ ہے۔ یہاں ایک بنیادی تصور کو ذہن نشین رکھنا چاہیئے وہ یہ کہ اس براہ راست نسبت کی بنیاد ''سرکارؒ سے ابا جیؒ کی نسبت ہے۔'' سرکار غوث پاکؒ نے اکثر غلاموں کے مراقبہ اور مکاشفے میں ابا جیؒ کے لیئے یہ بات تکرار کے ساتھ فرمائی ہے کہ ''یہ اور ہم ایک ہیں'' چنانچہ جس نے ابا جیؒ کو چھوڑ کر سرکارؒ سے رشتہ کو براہ راست سمجھا وہ غلطی پر ہے۔ ایک ایسے ہی رویّہ والے کو سرکارؒ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں تجھ کو نہیں جانتا اگر تو اپنے ابا جیؒ کو چھوڑ کر میرے پاس آئے ایسا کرنے والا دراصل ''سرکارؒ اور ابا جیؒ'' کے ایک ہونے کے اعلان کا منکر ہو جاتا ہے اور اس کو شرف غلامی بھی عطا نہیں ہوتا ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ سرکار ابا جیؒ تک پہنچنے کے لیئے شجرے کو تسلیم کرنے والا بھی راست نسبت سے محروم ہے۔ ابا جیؒ کے سلسلے میں راست نسبت صرف ایک ہی شخص کی معرفت ہے وہ جس نے نوافل پڑھا کر غلامی کے لیئے پیش کیا ہو اس کے علاوہ واسطے اور وسیلے براہ راست نسبت کی نفی کرتے ہیں جو دراصل ابا جیؒ کے سلسلہ کے بنیادی اصول کی نفی ہے۔ پچاس نسلیں اور صاحبان اجازت کے گزر جانے کے بعد بھی جو شخص داخل سلسلہ ہوگا اس کو ابا جیؒ سرکارؒ سے راست تعلق نوافل داخلہ پڑھانے والے شخص کے ذریعہ ہوگا اور درمیان کی سب کڑیاں غائب ہوں گی۔

پھر نہ واصل کوئی اور نہ فاصل کوئی

ابا جیؒ ابا جیؒ ابا جیؒ ابا جیؒ

۵۔ مرکز سے وابستگی

آج سرکارِ دو عالم ﷺ کو پردہ فرمائے ہوئے چودہ سو (۱۴۰۰) سال گزر چکے ہیں۔ مگر آج بھی اگر کوئی غیر مسلم سرکار ﷺ کی امت میں شامل ہونا چاہے تو کسی بھی صاحبِ ایمان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے سرکار ﷺ سے براہ راست تعلق ہو جائے گا دیگر اکابرین و خلفائے راشدین کی وساطت نہیں ہوگی۔ احترام و محبت کے رشتے اپنی جگہ براہ راست تعلق مرکز (سرکار ﷺ) سے ہوگا۔ پہلی صدی کے فیض کا یہی انداز ہے اور حضرت ابا جیؒ نے فرمایا تھا کہ میرے سلسلہ میں فیض پہلی صدی والا ہے یہاں بھی داخل سلسلہ ہونے والے کا راست تعلق سرکار ابا جیؒ سے ہوتا ہے اور جس طرح نبی ﷺ کا درجہ امتی کے لیئے باپ والا ہوتا ہے اسی طرح حضرت ابا جیؒ بھی داخل سلسلہ ہر غلام کے ابا جیؒ ہیں۔

کوئی بھی شخص خواہ وہ خود کتنی ہی بڑی روحانی ہستی ہو یا کسی بڑی روحانی ہستی سے وابستہ ہو بحیثیت اُمتی سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت میں کسی کو نہ شامل ہونے دے گا اور نہ اس کے رسول پاک ﷺ سے راست تعلق میں کوئی حائل ہو سکے گا مرکز سے مستحکم وابستگی جس طرح امتِ مسلمہ کے لیئے لازم ہے ایسے ہی اہل سلسلہ پر بھی سلسلہ کے مرکز سے مضبوط رشتہ درکار ہے یہی بات سیّد باسط علی جعفریؒ زندگی بھر کہتے رہے کہ مرکز کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ آج ہر غلام کو اپنا جائزہ لینا چاہیئے کہ مرکز سے اس کی پختہ وابستگی میں کسی کی عقیدت یا محبت دخیل تو نہیں ہے۔ میں نام لیئے بغیر ابا جیؒ کی محفلوں کے ایک محترم بزرگ سے یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا تھا کہ ''پہلے یہ عرش تو طے کرلوں

پھر عرش اعظم پر پہنچوں گا'' یہ بات انہوں نے جوش عقیدت میں مرحوم سیّد شبیر علی قادریؒ کے لیئے کہی تھی اس رویّہ کا نتیجہ ہے کہ آج ان کے گزر جانے کے بعد ان کے حلقے والوں کے معاملات بقول ان کے تین وسیلوں سے اباجیؒ تک پہنچتے ہیں۔

۶۔ نفیٔ ذات

جیسا کہ راقم نے اسی تحریر میں کہیں عرض کیا ہے کہ ''بندہ عاجز اور اللہ تعالیٰ اکبر ہے''۔ کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے اور ہر عبد کی ذمہ داری ہے کہ بندہ خود کو سرکار ﷺ کی اتباع میں عبد عاجز سمجھے اور نفس و شیطان کے پھیرے سے بچنے کے لیئے اپنی ذات کی نفی کرتا رہے جس کے لیئے غوث پاکؓ کا ارشاد ''انا عبدہٗ'' اباجیؒ کا سبق ''میں کچھ بھی نہیں'' ہے۔ اگر غلام زبان سے تو میں کچھ بھی نہیں کہتا رہے مگر اس کے طور طریق اپنے بیان کے خلاف ہوں تو یہ بڑی بدبختی کی بات ہے''۔ خود کو عاجز نہ سمجھنا ہی ''تکبر'' ہے جس کے سبب ابلیس مردود ہوا۔ یہی تکبر ''انا، عزتِ نفس، ہچون من دیگرے نیست'' کی شکل اختیار کر کے روحانیت کو برباد کر دیتا ہے۔ اور کبھی کبھی فرد ''فریب اندر فریب'' کا شکار ہو کر اسی پر ناز کرنے لگتا ہے کہ میں نے تو اپنی کامل نفی کر لی یہ دراصل نفی کی نفی یعنی اپنی اثبات ہے۔

۷۔ برادری کا تصور

ویسے تو داخل سلسلہ ہر شخص سلسلے کے انوکھے پن اور برادری کی منفرد و ممتاز حیثیت کا قائل ہے مگر ہم میں سے ہر ایک کو اس حوالے سے غور کرنا چاہیئے کہ ''کیا وہ سلسلہ کے ہر فرد کو خواہ اس کا تعلق کسی بھی حلقے سے ہو

حقیقتاً اپنے بھائی کی طرح سمجھتا ہے اور اس کی محبت و عزت و شفقت کے ویسے ہی احساسات رکھتا ہے جو حقیقی بھائی کے لیئے ہوتے ہیں۔ سلسلہ کا برادری ہونا بھی پہلی صدی کے فیض والی ہی شان ہے جب سرکار ﷺ نے مدینہ منورہ میں ''مواخاۃ'' کا تصور دے کر انصار و مہاجرین کو حقیقی بھائیوں کی طرح کر دیا تھا اور وقت کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے بعد یہ تصور اسلامی اخوت و مساوات کی شکل اختیار کر گیا ایک حلقے والوں کا دوسرے حلقے والوں کو تسلیم نہ کرنا یا کمتر سمجھنا برادری کی شان کے خلاف ہے۔ اگر اللہ توفیقِ دے اور سرکارؒ کا کرم شامل ہو تو خود احتسابی کا دامن کبھی نہ چھوڑیں خود اپنا مواخدہ کرتے رہیں۔ راقم دست بہ دعا ہے کہ غلاموں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیئے سرکار باہم محبت ڈال کر برادری کے تصور کو استحکام عطا کریں اور اپنی بساط بھر ہر غلام خود بھی اس کے لیئے کوشاں رہے۔

۸۔ دنیا طلبی

قول صادق ہے کہ راہ سلوک میں صاحبانِ روحانیت کے نزدیک۔۔۔ طالب دنیا مردود۔۔۔ طالب عقبیٰ مسعود۔۔۔ اور طالب مولا محمود ہوتا ہے۔ دنیا داری اور چیز ہے طلب دنیا اور ہے۔ سیّد شبیر علی قادریؒ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ دنیا وہ بری ہے جو دل کے اندر ہو اور وہ جو دل میں نہ ہو بری نہیں ہے۔ راقم نے اس مسئلہ پر مزید غور و فکر سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دنیاوی زندگی کو اگر مزے اڑانے کے لیئے سمجھا جائے تو یہ خراب ہے اور اگر اس کو آخرت بنانے کے لیئے استعمال کیا جائے تو یہ نعمت خداوندی ہے اور دنیاوی

زندگی سے آخرت بنانے کا اللہ رسول کا بتایا ہوا طریقہ ''دین'' ہے۔ مطلوب مومن نہ دنیا ہے نہ دین بلکہ مقصود تو جنت کے مزے اور حور و غلمان بھی نہیں بلکہ یہ سب نعمتیں جس سے عطا ہوتی ہیں مقصود وہی ذات پاک ہے اور ''اَلْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدٌ''۔۔۔ مقصد زندگی اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور شاید اس سے بھی بڑی سعادت اللہ کی رضا میں بندے کا راضی ہونا ہے جیسا کہ حضرت حسینؓ نے کربلا میں اللہ سے عرض کیا تھا کہ ''اے مولا اگر میری فتح تیری مشیت کے خلاف ہے تو میں تیری رضا پر راضی ہوا۔ حضرت ابا جیؒ فرماتے تھے کہ لوگوں نے خدائی دعوے بھی کئے نبوت کے بھی دعوے کئے مگر کسی کو حسین بننے کا حوصلہ نہ ہوا علامہ اقبال نے خوب کہا ہے کہ:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

اگر غور کریں تو ابا جیؒ کے پورے سلسلے کا طریقہ پہلے صدی والا ہی ہے۔

یہ سب کچھ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دائمی کامیابی کے لیئے عارضی اور فانی راحتوں، جھوٹے اعزازات اور حیات ارضی کے فریبِ زر و اولاد و جاہ و منصب، کا طالب بن کر طالب مولا ہونے سے غفلت نہ آنے پائے اور غلام کے لیئے تو بہترین راستہ یہ ہے جو سیّد باسط علیؒ چار لفظوں میں بیان فرماتے تھے کہ۔۔۔ دست بہ کار، دل بہ یار، مراد یہ تھی کہ جائز روزی اور

دنیاوی راحتیں حاصل کرنے کے لیئے محنت وکوشش کرومگران کو مقصود و مطلوب نہ بناؤ دل میں اللہ ہی رہے۔ غیر کا داخلہ نہ ہو۔ ابا جیؒ کے سلسلے میں اسی عطا کو ''فیض دین و دنیا کہا جاتا ہے۔ راقم نے آقا کی ایک منقبت میں عرض کیا تھا کہ

جہانِ معرفت میں تیری تنہا ذات ہے آقا
کہ جس کے در پہ فیض دین و دنیا ساتھ ہے آقا

۹۔ مفت خوری

جب حقیقی خانقاہوں کی روحِ اصل ختم ہو کر محض روایت پرستی رہ گئی تو روایتی مسند نشینوں کی گزراوقات امیرانہ ٹھاٹ باٹ سے مریدوں کی کمائی پر ہونے لگی اور اسلام کے بنیادی اصول ''اکل حلال'' کے بجائے مفت خوری کا طریقہ رائج ہو گیا کہ ''پیروں اور پیرزادوں کی گزربسر محنت کی کمائی کے بغیر تحفوں اور نذرانوں سے لے کر جمعرات کی روٹی تک محدود ہو گئی ابا جیؒ کی یہ شان تھی کہ ٹھیلے پر شربت بیچنے، دوکان کرنے سے لے کر موٹر نشینی اور قادری منزل کی رہائش تک کبھی بھی کسی بھی غلام کی ایک پائی بھی قبول نہیں فرمائی بلکہ ایسی کمائی کرنے والے معتقدین کے گھر بھی گئے تو ہزار پیش کش کے باوجود ایک نوالہ بھی زبان پر نہیں رکھا دلداری بھی کی تو صرف پانی پینے کی حد تک اور ایسی ہی احتیاط کا مظاہرہ قادر بھائی جان نے بھی کیا اور آج بھی ربانی میاں خود بھی کسب حلال کی بھرپور پاسداری کررہے ہیں۔ ایسی احتیاط راقم نے

باسط صاحبؒ اور مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کے علاوہ کسی صاحب اجازت کے ہاں نہیں دیکھی جس کی روایت مختلف حلقوں میں (نئی نسل میں) بحمداللہ محنت و مشقت کی کمائی سے بدل رہی ہے۔

۱۰۔ پابندیٔ اوراد و معمولات

مندرجہ بالا منہیات کے علاوہ راقم کی نظر میں درج ذیل تین باتیں مزید قابل توجہ اور اصلاح کی متقاضی ہیں۔

۹۔ سلسلہ کے معمولات ''ختم شریف وغیرہ میں عدم شرکت اور قادری منزل سے رابطہ کی کمی۔

۱۰۔ اباجیؒ کے بتائے ہوئے اوراد کی طرف سے غفلت۔

۱۱۔ اپنی من پسند باتوں یا ثانوی عقیدتوں کو سلسلہ کا لازمہ بنانے کی بدعات۔

اگر مندرجہ بالا ممنوعات پر سختی سے عمل کیا جائے اور حسب مقدور ''اوامر'' کی پابندی کی جائے تو ''**معرفت ڈیڑھ قدم ہے**''

آخر میں راقم اباجیؒ کے غلاموں کے مختلف موجودہ حلقوں کی نشاندہی کے ساتھ ہی آپس میں ایک دوسرے کو غیر نہ سمجھنے اباجیؒ سے سب کی نسبت کو محکم تصور کرنے اور باہم اختلاف کو راہوں کے فرق پر محمول کر کے سوئے ظن ختم کرنے کے لیئے درخواست گزار ہے۔

سلسلہ کے مختلف حلقے

اباجیؒ کے سلسلہ میں کون شامل ہے کون نہیں اور جو شامل ہیں وہ کون ہیں اور کہاں ہیں۔۔۔ اور وہ کون ہیں جو آنے والے وقت میں شرف غلامی حاصل کریں گے اس کا علم تو سرکارؒ کے ہی پاس ہے۔ ویسے راقم اپنی بساط بھر ''ہمیشہ کوشاں رہا ہے اور آج بھی ہے'' کہ اباجیؒ کے کسی بھی غلام کی جانب سے کبیدگی کو پیدا نہ ہونے دے۔ راقم اپنی محدود معلومات اور استطاعت کے مطابق تمام حلقوں کے صاحبان اجازت اور شرکا کا پورا پورا احترام کرتا ہے اور سارے غلاموں کے لیئے ہمیشہ دست بہ دعا ہے۔ باین ہمہ ذیل میں بیان کردہ صاحبان اجازت کے مختلف حلقوں میں سے کسی کو بھی اباجیؒ کے بتائے ہوئے اصولوں کا ایسا نمونہ نہیں کہا جاسکتا ہے جو اباجیؒ کے عہد کا آئینہ دار ہو کہیں چھوٹے چھوٹے اور کہیں کہیں بعض بڑے اور بنیادی اصولوں کی کھلی خلاف ورزی ہو رہی ہے خاص کر نسبت اویسی اور مرکز سے براہ راست وابستگی اور درمیانی وسیلوں کے حوالے سے بہت کمزوریاں ہیں راقم نام لے کر تو ان کی نشاندہی مناسب نہیں سمجھتا مگر عمومی بیان میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔

۱۔ قادری منزل کو سب سے برتر ہونے کے ساتھ اسوقت سب سے بہتر نمونہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے وہاں راقم کی نظر میں کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے

جیسے سلسلہ کے بنیادی اصولوں سے انحراف کہا جاسکتے ہیں۔تاہم دو باتیں پھر بھی قابل توجہ ہیں اوّل صاحب اجازت کی نشست کے لیئے جگہ کی تخصیص سے خانقاہی گدّی نشینی کا اشتباہ ہوتا ہے اباجیؒ کے زمانے میں بھی ''گدی بطورِ مسند تھی۔۔۔مگر وہ ''سرکارؒ کے تصور تشریف نشینی سے وابستہ تھی۔۔۔صاحب اجازت کے لیئے نہیں۔قادری صاحبؒ نے بھائی جان کی نیابت کا اعلان کرتے ہوئے ان کو گدی پر بٹھایا تھا۔مگر وہ بالعموم گدّی سے ہٹ کر غلاموں کے ساتھ ہی بیٹھتے تھے۔کبھی کبھی بوجہ مرض سخت زمین پر بیٹھنے سے بچنے کے لیئے گدی پر بیٹھ جاتے تھے۔وہ ہر ختم شریف کے بعد ''گدّی آباد رہنے کی جو دعا کرتے تھے اس سے مرادُ[سرکارؒ کے کرم کا جاری رہنا تھا۔دوسرا مسئلہ دست بوسی کا ہے جو ماں جیؒ اور قادر بھائی جان کے دور کے بعد شروع ہوا یہ کس کی ڈھیل کا نتیجہ ہے راقم کے علم سے باہر ہے۔مناسب ہوگا اگر اباجیؒ کی آل ان دو باتوں کی طرف دھیان دے گر اباجیؒ کے سلسلے اور اس کے بنیادی اصولوں کا بہترین نمونہ بن جائے۔شاید دوسرے حلقے بھیؔ اس کی تقلید کرسکیں۔

۲۔اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کا چھوڑا ہوا حلقہ عقید تمندوں کا شاید اباجیؒ کے سلسلہ کا سب سے بڑا اور منظم حلقہ ہے جس کی سربراہی اعلیٰ حضرت کے بیٹے سیّد عزیز الدین قادری مدظلہ کے پاس ہے۔سلسلہ میں راقم کا داخلہ بھی اسی حلقہ کے سربراہ اعلیٰ حضرت نظام الدینؒ کے نوافل پڑھانے کے بعد ہوا۔اعلیٰ حضرت راقم کے بڑے محسن اور رہبر

اوّل تھے اور ہیں۔ ابا جیؒ کی ایک منقبت کے ایک بند میں جو راقم نے عرس شریف کے موقع پر مزار شریف پر چادر چڑھائے جانے کے بعد ختم شریف پڑھے جانے سے قبل پیش کی تھی اس میں اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ سے اظہار عقیدت کے لیئے عرض کیا تھا کہ:

نہ سمجھیں گے اس راز کو دیدہ ور
آپؒ کے فیض نسبت کا کیا ہے اثر
اعلیٰ حضرتؒ کی جس پر پڑی اک نظر
قلب چلنے لگا روح گانے لگی

ابا جیؒ، ابا جیؒ، ابا جیؒ، ابا جیؒ

ہر چند راقم کی ظاہرہ نشست آج اس حلقے میں نہیں ہے مگر نہ تو راقم کی عقیدت میں کوئی کمی ہے اور نہ وہ اعلیٰ حضرت کی توجہ سے محروم ہے کہ آپ نے راقم کی وہاں ظاہرہ حاضری ختم ہونے پر بعض منہ پھٹ لوگوں کی زباں بندی کے لیئے فرمادیا تھا کہ فائق کے لیئے میرے دروازے تا قیامت کھلے ہیں اور یہ حق ہے کہ راقم کے ترک محفل کرنے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت کی مہربانی اور خواب میں ان کے دیدار کا سلسلہ قائم اور جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو عقیدہ کی صحت اور ابا جیؒ کے سلوک کے طریقوں کی توفیق عطا فرمائے۔۔۔ ابا جیؒ کے بتائے ہوئے سلسلہ کے بنیادی اصولوں کی پابندی کا حوصلہ دے۔ گدی نشینی دست بوسی نذرانوں کی قبولیت اور وسیلوں کی مداخلت سے گریز کی توفیق دے مرکز سے مضبوط وابستگی عطا کرے اور بدعات سے محفوظ فرمائے۔

۳۔ سیّد شبیر علی قادریؒ جنہوں نے راقم کو یہ کہہ کر نوافل کی تجدید کروائی کہ تو سرکار کا غلام تو ہے مگر میرے سامنے بھی دو نوافل پڑھ لے کہ میں بھی تیری غلامی کے اقرار کا گواہ بن جاؤں وہ بھی راقم کے عظیم محسن ہیں جو فرماتے تھے کہ ''فائق فائق ہے۔۔۔وہ کالے چور کے پاس بھی بیٹھے تو بھی سرکارؒ کا غلام ہے۔'' ایک مرتبہ نرائن داس کمپاونڈ میں قادری صاحبؒ کی رہائش کے دوران رات کے وقت راقم قادری صاحبؒ کے ساتھ اکیلا بیٹھا تھا'' بجلی چلی جانے سے راقم کو بہت الجھن ہو رہی تھی قادری صاحب محبت آمیز لہجہ میں باتیں کر رہے تھے مگر صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی کہ قادری صاحبؒ اٹھے اور انہوں نے کمرے میں موجود بجلی کے سوئچ پر انگلی رکھی کہ سارے علاقے میں لائٹ آ گئی۔ قادری صاحب نہایت خوشگوار موڈ میں تھے۔ راقم ان کو نعتیہ اشعار سنا رہا تھا جب راقم نے حسنؔ رضا خاں صاحب بریلوی کا یہ مطلع سنایا کہ

میں کیوں کہوں مجھ کو یہ عطا ہو وہ عطا ہو
وہ دو کہ ہمیشہ مرے گھر بھر کا بھلا ہو

یہ شعر سن کر بحر کرم جوش میں آیا اور قادری صاحب فقیرانہ انداز میں اچانک جوش محبت سے کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''جا دیا''۔۔۔کیا دیا؟ اس کا احاطہ میرے ہوش و فکر سے ممکن نہیں۔

۴۔ قادری صاحبؒ کی خاندانی نیابت کی نعمت راقم کی نظر میں ان کے بڑے بیٹے جناب اقبال قادری کو منتقل ہوئی تھی ظاہر میں اس کا اعلان ہوا یا نہیں اور ہوا تو کب اور کس طرح یہ سب کچھ راقم کی معلومات سے باہر ہے۔ ویسے ان کے پاس ان کے والد مرحوم کی نیابت کا اس سے بڑا کیا ثبوت ہوگا کہ وہ تا قیامت قادری صاحب کے قدموں میں آرام فرمائیں قادری صاحبؒ کے راقم سے ''جا دیا'' کہنے کے بعد قادری صاحبؒ نے اپنی اولاد کو جمع کر کے خاص کر اقبال قادریؒ سے ان کے ہی بقول فرمایا تھا کہ ''آج سے فائق تمہارا بڑا بھائی ہے تم سب اس کے کہنے پر چلنا اور اس کی بات ماننا'' مجھ کو یہ واقعہ سناتے ہوئے ''اقبال میاں'' نے رنجیدگی کے ساتھ کہا۔۔۔مگر آپ پھر ہمارے ہاں آئے ہی نہیں'' میں نے اُن سے یہ تو نہیں کہا کہ قادری صاحبؒ نے اپنی ہدایت کو ''میرے آنے جانے سے مشروط تو نہیں کیا تھا'' بلکہ خاموش ہوگیا اور ان سے یہ بھی نہیں کہا کہ قادری صاحب جو ربط عالم ظاہر میں رکھنا چاہیتے تھے۔ وہ بعض مصلحتوں کے سبب باطن میں منتقل ہوگیا ہے اقبال قادریؒ کے پاس قادری صاحبؒ ہی کی طرح ابا جیؒ کی غلامی کے ساتھ اپنے خاندان کی نیابت وامانت بھی رہی ان کے بعد شاید وہ ان کے بڑے بیٹے کو منتقل ہوئی جس کی تفصیلات سے راقم بے خبر اور ان کے لیئے دعا گو ہے۔

ویسے قادری صاحبؒ نے قادری منزل پر دھوبی گھاٹ والے حضرت محمد علیؒ کے بیٹھنے کے ساتھ ہی قادری منزل کی حاضری قادر بھائی جانؒ کی حیات

میں ہی ترک کردی تھی تاہم اپنی آل اور خاکی و آتشیں معتقدین کو ہدایت کر گئے تھے کہ قادری منزل کو نہ چھوڑنا اس کا ہی اثر ہے کہ وہ سارے کے سارے قادری منزل کو اس طاقت سے پکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے اختلاف رکھنے والے نہ تو قادری منزل پر آسکتے ہیں اور نہ ہی ابا جیؒ کے قبرستان میں ان کی تدفین ہوسکتی ہے۔

۵۔ قادری صاحبؒ سے ایک نعمت سیّد محمد حسین بخاریؒ کو بھی منتقل ہوئی تھی وہ نعمت اباجیؒ کے سلسلہ کی تھی کہ حضرت سیّد ابوالحسناتؒ کے سلسلے والی جو قادری صاحب کے پاس اباجیؒ کے ہاں حاضر ہونے سے پہلے ہی موجود تھی؟ یہ ایک باطنی راز ہے جس کو راقم اختلافی مسئلہ نہیں بنانا چاہتا اور اس بات کا بھی علی الاعلان اعتراف کرتا ہے کہ وہ سیّد محمد حسین بخاریؒ سے جب ملتا تھا تو احترام وعزت سے ملتا تھا آج بھی ان کو قادری صاحبؒ کا بے بدل دوست ساتھی اور کامل ولی اللہ تسلیم کرتا ہے اور اس بات پر یقین کامل رکھتا ہے کہ ان کے بعد ان کی نیابت ان کے بھانجے سیّد امین بخاری صاحب مدظلہ کو منتقل ہوئی ہے جس کے تقاضے وہ پوری دیانت احتیاط اور لگن کے ساتھ پورے کر رہے ہیں راقم ان کے اور ان کے حلقۂ اثر کے تمام لوگوں کے لیئے دعا گو ہے۔

۶۔ پروفیسر مرتضٰی شفیع صاحبؒ سے عقیدت رکھنے والے غلاموں کا حلقہ بہت تاخیر سے وجود میں آیا جس کی موجودہ سربراہی مرتضٰی

شفیعؒ کے بعد اردو کے معروف پروفیسر اور ہومیو ڈاکٹر جناب ''خلیق احمد شمسی صاحب'' کے پاس ہے ان کے اہل حلقہ بشمول ڈاکٹر شمسی راقم سے رابطہ ٔ محبت میں ہیں مگران سے متعلق موجودہ تفصیلی معلومات سے راقم محروم ہے۔ مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کو اَب سے تقریباً پچاس (۵۰) سال قبل اپنی حیات ظاہرہ میں حضرت ابا جیؒ نے نوافلِ داخلہ پڑھانے کی اجازت مرحمت کی تھی مگر وہ اپنی نفی اور کسر نفسی کے سبب حلقہ سازی سے دور رہے اور خود ایک معتقد کی حیثیت سے قادری صاحبؒ اور اعلیٰ حضرت کی محفلوں میں ایک عام طالب کی حیثیت سے شریک رہے۔ وہ جس کو داخل سلسلہ کرنا چاہتے اعلیٰ حضرت نظام الدین قادریؒ کے حضور پیش کر کے نوافل پڑھوادیتے۔ ان کے اس طریقے سے غلاموں کی ایک بڑی تعداد داخل سلسلہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت چونکہ مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کی اجازت یافتگی اور ان کی کسر نفسی دونوں سے آگہی رکھتے تھے اس لیئے فرمایا کرتے تھے کہ ''شفیع کسی کو بھی لے آئے اس کو نفلیں پڑھا دوں گا''۔

سیّد شبیر علی قادری کے آخری دور میں ان کی مختصر انجمن آرائی کے زمانے میں پروفیسر مرتضیٰ شفیع صاحبؒ کا جو سیّد محمد حسین بخاریؒ سے رابطہ ہوا اور خود ساختہ رشتے کے سبب ان کے حلقہ ولوں کی راہ میں جو وساطتیں اور وسیلے ابا جیؒ سے راست نسبت میں دخیل ہوئے ان کا ذکر بار بار کرنے کے بجائے ان کے اجازت یافتہ اور اس حلقے کے موجودہ نگراں صاحب ہوش و عقل و بصیرت جناب ڈاکٹر شمسی صاحبؒ سے درخواست گزار

ہوں کہ وہ راہ کی پیچیدگیاں دور کرنے کے لیئے ابّا جیؒ سے درخواست بھی کریں اور جس نے بھی ان کو نوافل پڑھائی ہیں اس کی وساطت سے ابّا جیؒ سے راست تعلق استوار کریں اور جن طالبوں کو وہ خود نفلیں پڑھائیں اپنی ہزار عقیدت کے باوجود آنے والے غلام اور ابّا جیؒ کے درمیان اپنے علاوہ کسی کو وسیلہ نہ بنائیں ویسے ہوگا وہی جو مقسوم ازل ہے۔

۷۔ حضرت محمد علی صاحبؒ کے حلقے پر کچھ لکھنے سے پہلے ایک وضاحت یہ بھی کردوں کہ ''محمد علی'' نام کے دو بزرگ اور معروف ہستیاں ابّا جیؒ کے سلسلہ اور کرم سے وابستہ ہیں۔ ان میں سیّد شبیر علی قادریؒ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی بھی محمد علیؒ ہے جن کا حضرت ابّا جیؒ بھی احترام کرتے تھے اور جو آخری زمانے میں ظاہرہ قد وقامت صورت شکل اور خدّ وخال میں حضرت غوث پاکؒ سے مشابہت رکھتے تھے۔

سطور ذیل میں ذکر دھوبی گھاٹ والے حضرت محمد علیؒ کا ہے جو ابّا جی کے سلسلے کے بے مثال فقیر کامل تھے جو بعض باطنی مصلحتوں کے سبب چودہ سال ابّا جیؒ کے اہل سلسلہ سے دور اس ادا کے ساتھ کہ جیسے ان کو قادری منزل سے اتار دیا گیا ہو گوشۂ تنہائی یا جدائی میں اپنے حلقہ نشینوں تک محدود رہے یہ محمد علی صاحبؒ وہ فقیر کامل تھے کہ جن کے لیئے ابّا جیؒ نے فرمایا تھا کہ سلطان باہوؒ تو مقام ''ہو'' کے شیر تھے مگر ''میرا محمد علی''، ''لاہو''، (یاالٰہ) کا شیر ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ اگر محمد علیؒ ایک آزمائش سے کامیاب گزر گیا تو اس کے در سے ایسا لنگر

- علم صفت الٰہی ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم کو صفت علم سے متصف کر کے شرف خلافت عطا کیا۔
- سرکار دو عالم ﷺ علم کا شہر ہیں۔
- حضرت علیؑ باب العلم ہیں۔
- علمائے امت نائب رسول ﷺ ہیں

اور

"میرا ماہی صل علی، میں کچھ بھی نہیں"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یارانِ نکتہ داں کے لیئے

نہ وہ عیش کی محفلوں میں ملیں گے
نہ راحت طلب محملوں میں ملیں گے
نہ فرحت فزا منزلوں میں ملیں گے
ملیں گے تو ٹوٹے دلوں میں ملیں گے

وہ ہوں کے محبت کے ماروں میں دیکھو
انہیں اُن کے امیدواروں میں دیکھو
(منور بدایونی)

آخری معروضہ

شریعت اسلامیہ میں لوگوں کی کمزوریاں اور خرابیاں علیٰ الاعلان بیان کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ راقم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ کسی کی عیب جوئی اور دل آزاری بھی نہ ہو اور کتمانِ حق سے بھی دامن پاک رہے۔ پھر بھی ممکن ہے کہ بعض جملے بعض نفوس پر گراں گزریں تو اس حوالے سے راقم اپنے غلام بھائیوں کو شکیل بدایونی کا یہ شعر سنانا چاہتا ہے کہ:

تمہیں کہدیا ستمگر یہ قصور تھا زباں کا
مجھے تم معاف کردو مرا دل برا نہیں ہے

جاری ہوگا کہ اس کے لیئے ایک من نمک درکار ہوگا۔ مگر یہ دور شاید اس فیض کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا اس لیئے محمد علی صاحبؒ اس آزمائش سے کامیاب نہیں گزر سکے شاید یہ شرط ان کے ''مجرّد'' رہنے کی تھی جس کے چودہ سال بعد بقول خود ان کو معافی مل گئی اور وہ دوبارہ قادری منزل پر بیٹھنے لگے۔ اس وقت اُن کے حلقہ اثر میں جو لوگ ہیں راقم کو ان سے بالکل واقفیت نہیں ہے مگر اباجیؒ کی نسبت سے راقم ان سب کے لیئے ہمہ وقت دعا گو ہے۔ نفوس کی عدم واقفیت روحانی واقفیت میں حائل نہیں ہوتی ہے واللہ اعلم بالصّواب

۸۔ باسط صاحبؒ کے تربیت یافتگان کا کوئی حلقہ نہیں کہ باسط صاحب ہمیشہ حلقہ بندیوں، دست بوسی، گدّی نشینی، نذرانے قبول کرنے اور دوسری بدعات کے سخت خلاف اور مرکز کو مضبوط پکڑے رہنے کی تاکید فرماتے رہے اور اپنے دور آخر میں جب بعض لوگوں کے خیالات مستقبل کے لیئے سوالیہ نشان بن رہے تھے تو باسط صاحبؒ نے ان تمام لوگوں سے جن میں سے کچھ کراچی میں کچھ اندرونِ سندھ اور کچھ بیرون ملک ہیں واضح طور پر فرما دیا کہ تم لوگوں میں سے ہر ایک اپنے گھر پر بیٹھے اور اباجیؒ کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ باہم حسن سلوک اور محبت اور خیر خواہی ضرور رکھو مگر رشتہ بغیر وسیلہ اباجیؒ سے قائم رکھو اور مزید فرمایا کہ اباجیؒ اب درودیوار و محراب و گنبد میں نہیں ملیں گے! جیسا کہ منوّر بدایونی نے سرکار دو عالم ﷺ کے لیئے کہا ہے

گیارہ نکتے

۱۔ حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ نہ کرو اور حق کو چھپاؤ نہیں۔

۲۔ صلوٰۃ جب رسول پاکؐ اور آپ کی امّت سے اللہ کے لیئے ہے تو نماز ہے۔

اور

جب اللہ اور اس کے فرشتوں سے رسول پاکؐ کے لیئے ہے تو درود ہے۔

۳۔ درود بغیر نماز بھی مقبول ہے مگر نماز بغیر درود کے مقبول نہیں۔

۴۔ ابّا جیؒ کے سلسلے کے اوراد و وظائف ''اَقِیمُ الصَّلوٰةَ'' کی شرح ہیں۔ یعنی ''درود اور نوافل''۔

۵۔ رسالت، نبوت، عبدیت، اور فقر سرکار دو عالمؐ کے ہی اعزازات ہیں۔ رسالت محمدؐ کے نام سے، نبوت احمدؐ کے نام سے، معراج عبد (غلام) کے لقب سے، ہے فقر آپؐ کا فخر ہے

اور

میرے اباجیؒ غلام محمد بھی ہیں غلام احمدؐ اور فقیر کامل بھی (فقر کی چھٹی بڑی ہستی)

۶۔ سرکار دو عالمؐ نے کبھی کسی کو امّت سے خارج نہیں کیا اسی طرح سرکار غوث پاکؒ کسی کو غلامی سے خارج نہیں کرتے۔

۷۔ ''عجز'' بندے کے لیئے اور ''کبر'' اللہ کے لیئے ہے ''جس نے کبر کیا مردود ہوا''۔ اسی لیئے اباجیؒ کا طریقہ ''میرا ماہی صلِّ علیٰ، میں کچھ بھی نہیں''

۸۔ ارادت کی خرابی سے مریدی فسق ہو سکتی ہے مگر غلامی ختم نہیں ہوتی۔

۹۔ پیرانِ کرام والے طریقے غلام کو زیب نہیں دیتے۔

۱۰۔ اللہ کا بندے سے راضی ہونا بے شک بڑی عطا ہے مگر بندے کا اللہ سے راضی ہونا بہت ہی بڑی بات ہے۔

۱۱۔ دنیا کے کسی بھی حصہ میں کوئی بھی شخص خواہ وہ ابّا جیؒ سے واقف ہو یا نہ ہو اگر درود تاج شریف پڑھ رہا ہے تو اس کو ابّا جیؒ کا فیض پہنچ رہا ہے۔

پانچ نکتے

- سب سے اہم ذکر — کلمۂ طیبہ
- سب سے بڑا ''ورد'' — یا اللہ
- سب سے عمدہ دعا — درود شریف
- سب سے بڑا حاصل — رضائے الٰہی
- سب سے بڑی توفیق — بندے کا اللہ سے راضی ہونا

چار نکتے

- سب سے بڑا گناہ شرک کرنا
- سب سے بڑی غلطی خود کو عاجز کے بجائے اکبر سمجھنا
- بمنزلہ کفر اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا
- سب سے بڑی نحوست سورج نکلنے تک سوتے رہنا ہے

ایک نکتہ

مرید اور غلام

یہ دونوں الفاظ عربی زبان کے ہیں۔ مرید کے معنیٰ ارادت رکھنے یعنی چاہنے والے اور ارادہ کرنے والے کے ہیں لفظ مُرید قرآن حکیم میں استعمال نہیں ہوا ہے مگر ''رود'' مادّہ کے دیگر الفاظ چاہنے اور ارادہ کرنے کے معنی میں ہیں۔ لفظ ''غلام'' قرآنِ حکیم میں موجود ہے جو ''بچہ، لڑکے اور جوان'' تینوں مفاہیم میں ہے۔

بطور اصطلاح مرید وہ ہے جو کسی صاحب اجازت بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر کے کسی روحانی سلسلہ میں داخل ہونا چاہے۔ بالعموم بیعت کی تکمیل مرید کی ارادت اور ''مراد'' کی اجازت سے ہوتی ہے۔ اگر ارادت میں فرق آجائے تو مریدی فسق ہو جاتی ہے۔

برخلاف اس کے غلامی اپنے ارادہ کے تابع نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیئے آقا کا غلام کو قبول کرنا ضروری ہے۔ بعض فتوٰی کے مطابق مرید کے لیئے ارادت ہی کافی ہے مراد کی اجازت لازمی نہیں ہے مگر ''غلامی نہ تو ارادہ سے حاصل ہوتی ہے اور نہ ارادہ سے ختم ہوسکتی ہے ایک بار قبولیت ہونے کے بعد غلام کا اختیار ختم ہوجاتا ہے۔

حضرت ابّا جی نے اپنے اہل سلسلہ کے لیئے مرید کے بجائے سرکارؒ کا غلام ہونا اسی لیئے پسند فرمایا کہ ایک بار مقبول ہوکر غلام بے اختیار و بے ارادہ سرکارؒ کی مرضی کے تابع ہوجاتا ہے اور اس کی ذمہ داری سرکارؒ کی ہوتی ہے۔

جب غلام بے ارادہ ہے تو اس کو ''دست بوسی'' مسند نشینی، نذرانے قبول کرنا زیب نہیں دیتا مگر ایسا کرنے سے بھی غلامی ختم نہیں ہوتی۔ البتہ سرکارؒ کی طرف سے اگر اس کو کسی کے لیئے غلامی میں داخل کرنے کی سفارش کا اختیار ہے تو وہ ختم ہوسکتا ہے مگر اس کی غلامی ختم نہیں ہوتی۔ اسی بات کو ابّا جی نے یوں فرمایا ہے کہ ''جو پیر بنے گا فیض اس سے آگے نہیں بڑھے گا'' اور یہی وجہ ہے کہ ابّا جیؒ کے سلسلہ کا کوئی شجرہ نہ ہے اور نہ آئندہ ہوگا جس طرح ابّا جیؒ کو سرکارؒ سے نسبت اویسی ہے اسی طرح یہ نسبت ہر غلام کو نصیب ہوگی درمیانی واسطوں اور وسیلوں کی ''غلامی'' میں گنجائش ہی نہیں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جبر وقدر:

بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان لسان وقلب کی تصدیق کے ساتھ شریعت محمدی ﷺ پر عمل پیرا رہے۔ نازک اور پیچیدہ مسائل میں خود کو مبتلا کر کے اپنے یقین کو آزمائش میں نہ ڈالے اس لیئے کہ طمانیتِ قلب ایمان سے ہی حاصل ہوتی ہے بعض لوگ غور وفکر کے بعد اس منزل پر پہنچتے ہیں اور بعض کو اللہ تعالیٰ ذہنی مشقت کے بغیر ہی یہ دولت عطا کر دیتا ہے۔ جنہیں یہ دولت میسر ہے انہیں تقدیر وتدبیر کی بحث سے دور رہنا چاہیئے کہ یہ مسئلہ صدیوں سے زیر بحث رہنے کے باوجود حل نہی ہو سکا ہے۔ اصل یہی ہے کہ ایمان جبر وقدر کے درمیان ہے۔

عالم ظاہر میں جتنا بھی انسان کا اختیار نظر آتا ہے وہ عالم باطن میں جبر ہے ہم اپنی دانست میں اپنے ارادہ سے ایک فیصلہ کرتے ہیں مگر عالم باطن میں ویسا ارادہ اور وہ فیصلہ کرنا ہمارا مقدر تھا۔ اولیاء سے جو کرامات ہوئیں اور انبیاء سے جو معجزے ہوئے وہ پہلے سے ان کا مقدر تھے۔ بلکہ خود نبوت اور ولایت بھی مقدر ہوتی ہے ہم اگر یہ سوچ کر بے عمل ہو کر بیٹھ جائیں کہ جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا تو اگر ہمارے مقدر میں بے عمل ہو کر بیٹھنا ہے تو بیٹھیں گے ورنہ کسی بھی دلیل یا تاویل سے فعال ہو جائیں گے یا جتنی بے عملی مقدر تھی اتنے بے عمل رہیں گے اور جو عمل مقدر تھا وہ کر کے رہیں گے۔

شِرک:

اللہ کو واحد اور قادر مطلق ماننے والا کبھی مشرک نہی ہو سکتا۔ عبد کو معبود اور مخلوق کو خالق ماننے سے شرک عائد ہوتا ہے۔ مدح کے غلو یعنی کسی کی بڑھی چڑھی تعریف کو شرک نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص اپنے شیخ کو مشکل کشاء دستگیر، مدد کرنے والا اور شریک حال ماننے کے ساتھ انہیں اللہ کا بندہ جانتا اور مانتا ہے تو یہ عمل شرک نہیں ہے بغیر نیت کوئی شرک عائد نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ اگر سجدہ میں ناک زمین سے نہ لگی تو کہتے ہیں کہ سجدہ نہیں ہوا مگر اپنے شیخ کے مزار پر اگر کوئی تعظیماً سر جھکا دے تو کہتے ہیں کہ سجدہ ہو گیا ایسے دوہرے معیار والے لوگوں کے اجتہاد معتبر نہیں۔

تبلیغ و تفکر:

تبلیغ دعوتِ خیر کو کہتے ہیں، منطقی مباحثہ کو نہیں۔ دعوت خیر ہر شخص کے لیئے حسب استطاعت لازم ہے۔ منطقی مباحث کسی پر فرض نہیں ہیں۔ غور و فکر عقیدہ کو پختہ کرنے کے لیئے ہے عقیدہ کو پرکھنے کے لیئے نہیں۔ اسلامی عقیدہ حقیقت ہے اور حقیقت ہماری محتاج نہیں۔ ہم حقیقت کے محتاج ہیں۔ غور و فکر حقیقت کو پانے کی لیئے ہے پرکھنے کے لیئے نہیں۔ ہدایت تقویٰ کرنے والوں کے لیئے ہے جو غیب پر ایمان لائے نہ کہ فلسفیوں کے لیئے۔ آغاز قرآن میں ہی الٓـمّٓ کو کلام الٰہی ماننا بغیر سمجھے ہوئے ایمان لانے کا لازمہ ہے بلکہ اس میں تو تاویل بھی احسن عمل نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ دلیل کے ذریعے اللہ کو ایک ماننا دلیل پر ایمان لانا ہے اور اللہ کو ایک مان کر قلب کو دلیل سے مطمئن کرنا اسلامی تفکر ہے۔ دلیل و مفکر کے ذریعہ توحید تسلیم کرنا کچھ اور ہے

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لا کر انکے فرمان کے مطابق توحید کا عقیدہ رکھنا کچھ اور ہے یہ بڑی سعادت ہے۔

صاحب امر:

واضح حکم ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور اسکی اطاعت کرو جو تم مین صاحب امر کیا جائے۔ امر کے معنی حکم کے ہیں اور صاحب امر سے مراد وہ شخص ہے جسے حکم چلانے کا اختیار ہو۔ خلافتِ راشدہ تک تو صاحب امر واضح تھا اور سب پر امیر المومنین کی اطاعت فرض تھی اور اسکے اقرار کی لیئے بیعت کی جاتی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے دور میں امر کو کیسے تلاش کیا جائے اور کس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ بعض لوگ حاکم وقت کو صاحب امر تصور کرتے ہیں مگر حاکم وقت تو آج کی دنیا میں امر نہیں ہوتا کہ اسکی باقاعدہ اور قانونی اپوزیشن ہوتی ہے اور ہر قوم وملک میں وہ اس قوم یا ملک کے دستور کے تابع ہوتا ہے جس کی رو سے اسے حاکمیت ملی ہے چنانچہ امر کے معنی ایسے افراد کے ہیں جسے باطنی طور پر وہ نعمت حاصل ہو جسکی بنیاد پر وہ حکم نافذ کر سکے جیسے عہد خلافت راشدہ میں خلفائے راشدین کو یہ نعمت حاصل رہی ہے چنانچہ فی زمانہ امر کی تلاش اور اسکے ہاتھ پر بیعت وہیں کرنی چاہیے جہاں قلب گواہی دے اور یہ بھی لازم نہیں کہ ہم میں صاحب امر ایک ہی ہو۔

نیت اور عمل:

ظاہر ہے کہ فرد عمل سے پہچانا جاتا ہے کسی معاشرے میں فرد جس عمل کا مظاہرہ کرتا ہے اسی کی نسبت سے اسکی شخصیت کا تعین ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے کہ عمل نیت سے ہے اور اس حقیقت کو ماہرینِ نفسیات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نیت کے ظہور یا خارجی اظہار کو عمل کہا جاتا ہے نیز یہ کہ نیت داخلی عمل ہے اور عمل خارجی نیت ہے نیت صاحب معاملہ جانتا ہے اور عمل دوسروں کے لیئے قابلِ مشاہدہ ہوتا ہے۔ سزا عمل پر ہے اور جزا نیت پر بھی ہے۔ حدیث شریف ہے کہ مومن کی نیت عمل سے بہتر ہوتی ہے اور منافق کا عمل اسکی نیت سے بہتر ہوتا ہے چنانچہ فلاح کا راز نیت کی صحت ہے اگر ہم سے عملاً کوئی لغزش بھی ہو جائے تو اس سے تائب ہو کر نیت کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ دراصل ایمان اور عقیدہ بھی نیت کا ہی نام ہے جو اس میں پختگی ہوگی تو یہ لازماً عمل میں ڈھلے گی۔ اسی لیئے ارشاد ہے کہ "وقت گواہ ہے کہ انسان خسارہ میں ہے، سوائے انکے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے اور سچ اور صبر کی وصیت کی۔ یعنی اعمال صالح حق کی وصیت اور وصیتِ عمل کے لیئے پیشگی شرط ایمان لانا ہے۔ نیت کی صحت کے بغیر کوئی نیکی نیکی نہیں ہے چنانچہ بڑی بات نیک نیت ہونا ہے۔

نعمت اور بیان:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آپکے رب نے آپ کو جو نعمت دی ہے اسے بیان فرمایئے اور اولیاء کرام اپنی نعمتوں کو بیان کرنے کے بجائے چھپاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ منصب رسالت کے لیئے

اظہار لازم ہے، ولایت کے لیئے اخفا بہتر ہے۔ رسول ﷺ اس منصب پر فائز ہوتا ہے جہاں اُسے دوسروں کی اصلاح کے لیئے اپنی نعمتیں بیان کرنی پڑتی ہیں۔ مگر ولی اللہ پر نعمتوں کا اظہار لازم نہیں ہوتا سوائے انکے جنہیں عالم ظاہر میں بھی نفوس کی تربیت کا کام انجام دینا ہو جیسے احیائے دین کے لیئے حضرت غوث پاکؒ سے کہا گیا اور آپ نے قصیدۂ روحی اور قصیدۂ غوثیہ میں اپنی شان بیان فرمائی مگر رہروانِ راہ سلوک کے لیئے یہ بہتر ہے کہ مشیت کے راز اخفا میں ہی رہنے دیں تا آنکہ اسکے لیئے کوئی حکم ہو جائے۔

خوف اور غم:

اللہ کے دوست خوف اور غم سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ خصوصیت انسان کو نفسیاتی امراض سے پاک کر دیتی ہے۔ یہ اس لیئے کہ تمام امراض کی جڑ خوف ہے اگر اس کا رخ اندر کی طرف ہو جائے تو یہ غم بن جاتا ہے اور خارج کی طرف ہو جائے تو جارحیت اور غصہ بن جاتا ہے ان ہی اعمال کی مختلف نسبتوں اور حالتوں سے نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ خائف ہو کر فرد تحفظ چاہتا ہے اعتدال سے بڑھا ہوا خوف اعتدال سے بڑھے ہوئے حصول تحفظ کی ترغیب دیتا ہے اور اعتدال سے بڑھے ہوئے تحفظ کی سعی فرد کی نیت اور عمل دونوں میں فساد پیدا کر کے نفسیاتی صحت تباہ کر دیتی ہے۔ یہاں خشیت اور خوف میں تمیز کرنی چاہئے کہ خشیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے جبکہ خوف مخلوق سے بھی وابستہ ہے۔ ہر خوف کی جڑ موت کا خوف ہے اور وہ لوگ جو موت کو وصال جانتے ہیں خوف سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔

جن وانس:

لفظ ''جن'' کے معنی چھپے ہوئے کے ہیں یہ ایک آتشیں مخلوق ہے جو انسان کی چشم ظاہر سے پوشیدہ ہے۔ یہ مخلوق بھی معاشرتی زندگی گزارتی ہے ان میں موت اور ولادت، رشتے اور قرابت سب انسانی معاشرے کی طرح ہیں۔ انکے باقاعدہ نام ولدیت اور شجرے موجود ہیں۔ ان میں ایماندار اور بے ایمان، نیک اور بد دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ اپنے قول کا پاس کرنے والی مخلوق ہے بعض شکلوں میں یہ مشکل بھی ہوسکتے ہیں۔ جسمانی ہیت میں آنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے مگر اس کا اختیار ہے یہ انسانوں یعنی علماء اور اولیاء سے دینی علم کسب کرتے ہیں تعلیم قرآن کے لیئے زانوے تلمذ انسان کے آگے طے کرتے ہیں طاقت اور رفتار میں انسان سے بہت زیادہ ہیں۔ ناری ہونے کی وجہ سے نور سے ان کی ہلاکت ہے اسی لیئے اولیائے کرام کے فرمانبردار رہتے ہیں۔ انسان عاملوں کی طرح خود بھی عملیات کا وردرکھتے ہیں۔ آیۃ الکرسی اور والناس کے علاوہ بعض دیگر قرآنی آیات کے آگے بے بس ہوجاتے ہیں۔ سوائے اسکے کہ وہ خود بھی اسکے عامل ہوں۔ عام انسانوں سے بھی مربوط ہوسکتے ہیں اور انہیں نفع وضرر بھی پہنچا سکتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق زعفر جن اپنے لشکر سمیت حضرت امام حسینؑ کی مدد کے لیئے بھی آیا تھا مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا۔

حادثہ اور اتفاق:

باطن میں اور روحانیت میں حادثہ اور اتفاق نہیں ہوتا اس لیئے کہ اپنی

خلق میں واقعہ حادثہ اور اتفاق ایک ہی ہیں۔ کسی واقعہ کو ہم حادثہ یا اتفاق اپنی توقع اور اسباب کی نسبت سے کہتے ہیں۔ عالم اسباب میں علت ومعلول کا جو سلسلہ ہماری توقع کے طابق چل رہا ہے اگر کبھی خلاف توقع ہو جائے تو ہم اسے حادثہ کہتے ہیں کسی صحت مند آدمی کا اچانک انتقال کر جانا، کسی گاڑی کا اچانک اپنے راستہ سی بھٹک جانا، کسی سلسلہ اعمال کا بدیہی اسباب سے تجاوز ہو جانا تمام مشکلیں ہماری محدود و بصیرت سے وابستہ ہیں۔ مگر روحانیت اور باطن کی نظریا بصیرت محدود نہیں ہوتی اس لیئے باطن میں کوئی حادثہ نہیں ہوتا۔ نہ ہی کوئی چیز اتفاقی ہوتی ہے چنانچہ باطنی اور روحانی نسبتوں سے جو بھی وقوعات ہوں انہیں مشیت مقدر اور مرضی مولا سے تعبیر کرنا چاہیئے دین میں نہ تو فتح مکہ اتفاق ہے نہ واقعۂ کربلا۔ یہ سب پہلے سے مقدر تھے۔

دین و دنیا:

عام طور سے دین و دنیا کو دو متضاد حقیقتوں کے طور پر تصور کیا جاتا ہے اور افعال واعمال کو بھی اسی نسبت سے دینوی عمل اور دنیوی عمل یا معاملہ کہا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مومن کی دنیا دین سے الگ نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حضرت غوث پاکؒ نے فرمایا ہے کہ ''دنیا کو دل سے نکال کر ہاتھ میں لے''۔ پھر دست بہ کار دل بہ یار ٹھیک ہے۔ یہ مومن کی دنیا ہے ہاں دنیا سے متلازم آخرت ہے اور ہمیں حکم بھی ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں حسنات طلب کرو، میں حسنات کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں میں آسانیاں بھی طلب کرتا ہوں اے ہمارے رب آسان کر مشکل نہ کر اور خیر سے تمام کر اور دنیا و آخرت میں کامیابیاں عطا فرما۔ آمین۔

مرض اور موت:

ایک معالج کی حیثیت سے امراض واموات کا مشاہدہ میرا روزمرہ کا معمول ہے اور میں اپنے تجربہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مرض کا موت سے کوئی تعلق نہیں ہے انسان اگر سو مرتبہ امراض میں مبتلا ہو تو ننانوے مرتبہ صحت مند ہو جاتا ہے۔ صرف ایک مرتبہ مرتا ہے وہ بھی اس مرض سے جسے اللہ تعالیٰ مرض الموت بنا کر نافذ کرے۔ یہاں بھی پہلے حکم مرگ صادر ہوتا ہے پھر مرض کو اسی کا سبب بنا دیا جاتا ہے اسی لیئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ ''موت زندگی کی ضمانت ہے کہ وقت سے پہلے نہیں آئے گی''۔ چنانچہ عام بیماریاں جو بظاہر ہماری بد پرہیزی یا بے اعتدالی یا انفیکشن کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں یا تو سزا ہوتی ہیں یا آزمائش یا انعام چنانچہ میں جب بیمار ہوتا ہوں تو کہتا ہوں اے میرے رب اگر یہ بیماری سزا ہے تو معاف فرما، آزمائش ہے تو میں اسکے لائق نہیں اور اگر عطا ہے تو برداشت کی توفیق عطا فرما۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا جب میں بیمار ہوتا ہوں تو میرا رب شفا دیتا ہے۔ چنانچہ مرض اور شفا دونوں اللہ کی طرف سے ہیں البتہ علاج سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

دلیل اور عقیدہ:

اسلامی تعلیمات کی روح یہ ہے کہ عقیدے کو دلیل سے استحکام دینا چاہیئے نہ یہ کہ عقیدے کو دلیل کے تابع کر دیا جائے۔ شیطان کے لیئے آخری جواب یہی ہے کہ ''اللہ کو بے دلیل ماننا''۔ عقیدے کو دلیل کے ساتھ چلانا تیزاب سے کھیلنا ہے۔ شیطان مردود ابتداء میں عقیدے کے حق میں دلائل سے مطمئن کر دیتا ہے

مگر آخری حربہ کے طور پر ''ردِ دلیل'' سے حملہ آور ہوتا ہے۔ اسوقت ''دلیل بے دلیلی'' ہی کام آتی ہے جب عقیدہ محکم ہوجاتا ہے تو عشق کا آغاز ہوتا ہے عشق اپنے کمال پر معرفت ہے اور اسی منزل کی یہ خصوصیت ہے کہ:

افلاک سے نالوں کا آتا ہے جواب آخر
اٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر

جاننا اور ماننا:

میرے نزدیک اسلام کی بنیادی روح ماننا ہے، جاننا نہیں یعنی تسلیم ہے تفہیم نہیں ہے بلکہ یوں کہئے کہ دین ''اسلام'' ہے ''افہام'' نہیں ہے۔ عقیدے کا تعلق قلب سے ہے ذہن سے نہیں ہے اسی لیئے اقرار بالقلب کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ عرفِ عام میں جاننے کا تعلق ذہن سے ہے جو ایک وقوفی عمل ہے جسکی اساس حس یا تمثال ہے جبکہ ماننے کا عمل جذبہ یا ایقان اور وجدان ان سے متعلق ہے اگر خوش قسمتی سے یہ دونوں عمل ہمرنگ ہوجائیں تو عرفان وجود میں آتا ہے یہ بڑی سعادت ہے عطا ہے، توفیق سے ممکن ہے۔ بزورِ بازو نیست۔ عرفان کی روشنی عشق کے چراغ کی لو سے حاصل ہوتی ہے۔

کچھ آگ دی ہوس میں تو تعمیر عشق کی
جب خاک کردیا اسے عرفاں بنادیا

عجز اور کبر:

حضرت نظام الدین قادریؒ اکثر فرماتے تھے کہ ایک ایسی نیکی ہے جو

بندے کے پاس ہے۔ اللہ کے پاس نہیں ہے۔ اس بیان سے مراد ''عجز'' کی اہمیت واضح کرنا تھی۔ عجز اللہ تعالیٰ کی سلبی صفت ہے اس کا نہ ہونا اس میں لازم ہے مگر بندے کے لیئے عجز ہی عبدیت کبریٰ کی راہ فراہم کرتا ہے بندے کا خود کو عاجز جاننا محض ایک حقیقت کا اعتراف ہے یہ کسر نفسی نہیں حقیقت بیانی ہے اس لیئے کہ جو عاجز ہے اسے عاجز جاننا ایک سچائی ہے چنانچہ بندے کے لیئے عجز حق ہے جیسے اللہ کے لیئے کبریائی حق ہے۔ کبر بندے کے لیئے خلاف حقیقت اور ناپسندیدہ ہے پھر یہ کہ عجز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اہم ترین پہلو ہے اور جو دو عالم کا مشکل کشاء اور حاجت روا ہے اپنے لیئے عاجزی اور عبدیت کو معراج جانتا تھا۔

علم وآگہی:

علم محض ایک وقوفی عمل نہیں جسے محض آگہی کہتے ہیں۔ بلکہ یہ صفت خداوندی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو متصف کیا اور فرشتوں کے مقابلے میں اس کو اعزاز قرار دیا۔ سردار الانبیا حضور اکرم ﷺ کو علم کا شہر بنایا، سردار الاولیاء مولائے کائنات کو اس کا دروازہ قرار دیا گیا اور جملہ مومنین ومومنات کے لیئے اسے لازم بنایا اور ''وحی'' کا آغاز ''اقراء'' سے کیا گیا۔ علم کے وسیع تر مرادی معنوں میں ہنر اور فنون اور ٹیکنالوجی بھی شامل ہے۔ مگر اسکی اصولی تعریف حقیقت کی معرفت ہے اور اسکا جاننے والا صرف اللہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک بڑی نیکی:

ویسے تو ہر وہ کام جو اللہ کی خوشنودی کے لیئے کیا جائے نیکی ہے اسنے جو

فرائض عائد کئے ہیں ان پر عمل پیرا ہونا نیکی ہے اس نے جو کام منع فرمائے ہیں ان سے بچنا نیکی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بلکہ اتباع کی آرزو نیکی ہے۔ مقربین کی تقلید نیکی ہے مگر ایک نیکی جو اللہ کو بہت پسند ہے اور جس کا قرآن حکیم میں بار بار تذکرہ کیا گیا ہے وہ ''بھوکے کو کھانا کھلانا'' ہے میرے دوست فرماتے تھے کہ غریب ہو کہ امیر بھوک کا تشنج سب کے پیٹ میں یکساں ہوتا ہے اس لے جو بھی بھوکا ہو اسے کھلاؤ اللہ اس سے خوش ہوگا۔ اس نیکی کے علاوہ ایک اور سب سے بڑی نیکی ہے جو کبھی ''رد'' نہیں ہوتی جو اللہ اور اس کے فرشتے بھی کرتے ہیں اور وہ ہے ''اپنے نبی پر درود'' جسقدر بھی، جہاں بھی اور جب بھی ممکن ہو ''درود'' اور میرے عقیدے کے مطابق ''درود تاج شریف''۔ سبحان اللہ۔

سچ اور سب:

میرے مرحوم دوست سید باسط علی جعفری قادری نے مجھ سے فرمایا کہ ''سچ کہو سب نہ کہو'' اس قول کی معنویت پر جتنا بھی غور کیجیے رموز کھلتے جاتے ہیں اول تو یہ کہ اس اصول سے کم گوئی صادق آتی ہے۔ غیر ضروری گفتگو سے نجات ملتی ہے پھر یہ کہ انسان کسی گرفت میں نہیں آتا۔ اگر کوئی آپ سے آپ کے مزاج دریافت کرے تو کہیے ''الحمد للہ'' حمد اللہ کے لیئے ہے یہ سچ ہے۔ سچ کہیئے مگر واردات دوقوعات وکیفیات کے دفتر نہ کھولدیں اس لیئے کہ سب کہنا مناسب نہیں حالانکہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس کا کہنا ضروری نہ ہو تو ہرگز نہیں کہیں۔ سرکار غوث پاکؒ نے فرمایا کہ '' کھانا اس وقت جب فاقہ ہو۔ سونا اس وقت جب نیند کا غلبہ ہو اور بولنا اس وقت جب

ضروری ہو"۔ اور ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ ہر ایک اور اسکی بساط یعنی ذہنی سطح کے مطابق بات کرو۔ نفوس میں شریعت روحانیوں میں طریقت۔

گناہ اور گنہگار:

آدم کی فطرت کا ورثہ گناہ اور توبہ دونوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ ابلیس کے پاس صرف گناہ ہے توبہ نہیں ہے۔ آدم کی عظمت ہی گناہ کے بعد توبہ سے ہے۔ توبہ کے بعد رحمت ہے۔ سرکار ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "اگر مجھے کوئی ایسی بستی نظر آ جائے جو نادم گنہگار سے خالی ہو تو میں اسے الٹ دوں کہ وہ رحمت سے محروم ہے"۔ اگر اللہ گنہگاروں پر مہربان نہ ہوتا تو انبیاء کیوں آتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ ہے کہ آپ گناہ سے دور اور گنہگار سے قریب ہیں۔ یہ شانِ رحمت ہے اگر ہادی گنہگار سے دور ہو جائے تو ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ میرے مرحوم دوست سید باسط علی جعفری فرماتے تھے کہ "گناہ سے بھاگو گنہگار سے نہیں"۔

نفی اور اثبات:

نفی اور اثبات تصوف کی دو اصطلاحات ہیں جو اپنی معنویت میں محکم منطقی بنیاد کی حامل ہیں۔ کسی بھی شے کے تصور یا تعقل کو بیان کرنے یا سمجھنے کے لیئے اس میں بعض صفات کا ہونا اور بعض کا نہ ہونا تسلیم کرنا پڑتا ہے ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات بھی بعض ایجابی ہیں۔ جنکی اثبات لازم ہے اور بعض سلبی ہیں جن کی نفی لازم ہے مثلاً رحمت اسکی ایجابی صفت ہے اسکی اثبات

لازم ہے اور جسامت اسکی سلبی صفت ہے اسکی نفی لازم ہے اسی طرح عبد ومعبود کے رشتہ میں بندے کے لیئے عجز کی اثبات اور کبر کی نفی اور معبود کے لیئے کبر کی اثبات اور عجز کی نفی ضروری ہے۔ راہ سلوک میں چلنے اور چلانے والے سالک کی انانیت اور انائی محرکات کی نفی لازم قرار دیتے ہیں۔ معرفت کے لیئے اپنی نفی اور اللہ کی اثبات لازم ہے۔ اور اس کی شانِ کریمی کا مظہر کامل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے چنانچہ وہاں اثبات اور یہاں نفی ضروری ہے۔ یعنی ''میرا ماہی صل علیٰ میں کچھ بھی نہیں''۔

دعا:

دعا کے معنی چاہنے کے ہیں اور بندے کو مولا کی طرف سے یہ آزادی ہے کہ جو چاہے اپنے رب سے مانگے۔ مگر فقیری سطح پر ایک مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کی مرضی سے ہے تو کیا یہ بندے کو زیب دیتا ہے کہ وہ جو کچھ ہو رہا ہے اس سے مختلف چاہے یعنی اللہ کی مرضی کے خلاف چاہے! اسی احساس میں مولانا حسرت موہانی نے کہا:

مرضی یار کے خلاف نہ ہو
لوگ میرے لیئے دعا نہ کریں

دوسری طرف یہ کہ دعا مانگنا سنت ہے اور بعض دعائیں مسنون ہیں بعض آیات قرآنی بھی دعائیہ ہیں تو کیا دعا نہ کریں!

جواب یہ ہے کہ قرآنی دعائیں بندے کی ذاتی چاہت نہیں بلکہ ہدایت ہیں وہ دعائیں مانگنی ضروری ہیں۔ جہاں تک مسنون دعاؤں کا تعلق ہے تو وہ

دعائیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی ہیں اور آپ جو کچھ بولتے تھے، وہ اللہ کی مرضی سے بولتے تھے اس لیئے مسنون دعائیں بھی اللہ کی ہی مرضی سے ہیں۔

البتہ قرآنی مسنون دعاؤں کے علاوہ نجی دعاؤں کی بھی اجازت ہے یعنی یہ کہ بندہ مولا کی مرضی میں راضی رہتے ہوئے اپنی التجائیں بھی اسکے حضور پیش کردے اور اس جذبہ کے ساتھ مولا اگر یہ میرے لیئے بہتر ہیں تو انہیں شرف قبولیت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور وہ مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے جو دعائیں اس عالم میں پوری نہیں ہوتیں، وہ بعد کے لیئے اٹھا رکھی جاتی ہیں اور ان کا اجر ہے۔ چنانچہ دعا مانگنی چاہیئے مگر افضل یہ ہے کہ قرآنی اور مسنون دعائیں مانگی جائیں اور نجی دعائیں بھی کی جائیں مگر ان پر اَڑنا نہیں چاہیئے اس لیئے کہ بندے کی معراج اس کی رضا میں راضی ہونا ہے اگر دعا قبول ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس کی ہی مرضی تھی جو اس نے بندے کی زبان سے کہلوا کے پوری کی ورنہ خلاف مرضی یار ہماری کچھ طلب نہیں۔

نظام عالم:

قرآن حکیم میں جگہ جگہ آسمانوں کا، زمین کا، دن کا، رات کا، چاند سورج کا، اجرامِ فلکی کا، بارش اا ور ہواؤں میں اڑنے والے پرندوں کا، چلنے والے جانوروں کا، اور تیرنے والی کشتیوں کا تذکرہ ہے اور پھر یہ دعویٰ ہے کہ یہ نظام زبردست حکمت والے نے ایک خاص تخمینے سے بنایا ہے۔ یعنی عالم

ظاہر کے تمام نظام ایک مقررہ فطرت پر قائم کر دیئے گئے ہیں جو ''افعالِ الٰہی'' ہیں وار ایک عمومیت کے ساتھ چلتے رہتے ہیں کبھی کبھی وقوعات افعالِ الٰہی کے تقاضوں کے خلاف بھی ہو جاتے ہیں یعنی آگ جلاتی نہیں ہے...... چھری کاٹتی نہیں ہے...... پانی ڈبوتا نہیں ہے...... ہوا پر تخت اڑتا ہے...... دریا میں خشک راستہ فراہم ہوتا ہے...... مچھلی کے پیٹ انسان زندہ نکل آتا ہے...... بغیر باپ کے بیٹا پیدا ہوتا ہے...... اور عبد اپنے معبود کے پاس عرش پر جا کر لمحہ کے اندر واپس آ جاتا ہے یہ فطرت کی مستثنیات ہیں یعنی یہاں ''امر الٰہی'' فعل الٰہی پر غالب ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ اپنے امر پر بھی غالب ہے یہی ''کن'' کی شرح یعنی ''فیکن'' ہے جس پر اللہ کی ذات غالب ہے غلطی وہیں ہوتی ہے جہاں ''امر'' افعال کے تابع سمجھا جاتا ہے یہی غلطی شیطان سے ہوئی اور بہت سے ''خردمند'' اور منطقی لوگ اسی غلطی کا شکار ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں کہ وہ ''اوامر اکو افعال'' سے مطابقت دیتے ہیں۔ یعنی امر کو فعل کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں اور معجزات و کرامات کے منکر ہو جاتے ہیں امر کو معمول کے پیمانے پر ناپنا شیطانیت اور موجب مردودیت ہے اسی ''امر'' سے انبیاء اور اولیاء کو جو حصہ دیا جاتا ہے اس سے ہی معجزے اور کرامات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور اسی امر والے کی اطاعت کا حکم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ہے۔

دعائیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی ہیں اور آپ جو کچھ بولتے تھے، وہ اللہ کی مرضی سے بولتے تھے اس لیئے مسنون دعائیں بھی اللہ کی ہی مرضی سے ہیں۔

البتہ قرآنی مسنون دعاؤں کے علاوہ نجی دعاؤں کی بھی اجازت ہے یعنی یہ کہ بندہ مولا کی مرضی میں راضی رہتے ہوئے اپنی التجائیں بھی اسکے حضور پیش کردے اور اس جذبہ کے ساتھ مولا اگر یہ میرے لیئے بہتر ہیں تو انہیں شرف قبولیت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور وہ مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے جو دعائیں اس عالم میں پوری نہیں ہوتیں، وہ بعد کے لیئے اٹھا رکھی جاتی ہیں اور ان کا اجر ہے۔ چنانچہ دعا مانگنی چاہئے مگر افضل یہ ہے کہ قرآنی اور مسنون دعائیں مانگی جائیں اور نجی دعائیں بھی کی جائیں مگر ان پر اَڑنا نہیں چاہیئے اس لیئے کہ بندے کی معراج اس کی رضا میں راضی ہونا ہے اگر دعا قبول ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس کی ہی مرضی تھی جو اس نے بندے کی زبان سے کہلوا کے پوری کی ورنہ خلاف مرضی یار ہماری کچھ طلب نہیں۔

نظام عالم:

قرآن حکیم میں جگہ جگہ آسمانوں کا، زمین کا، دن کا، رات کا، چاند سورج کا، اجرامِ فلکی کا، بارش اا ور ہواؤں میں اڑنے والے پرندوں کا، چلنے والے جانوروں کا، اور تیرنے والی کشتیوں کا تذکرہ ہے اور پھر یہ دعویٰ ہے کہ یہ نظام زبردست حکمت والے نے ایک خاص تخمینے سے بنایا ہے۔ یعنی عالم

ظاہر کے تمام نظام ایک مقررہ فطرت پر قائم کردیئے گئے ہیں جو ''افعالِ الٰہی'' ہیں وار ایک عمومیت کے ساتھ چلتے رہتے ہیں کبھی کبھی وقوعات افعالِ الٰہی کے تقاضوں کے خلاف بھی ہوجاتے ہیں یعنی آگ جلاتی نہیں ہے...... چھری کاٹتی نہیں ہے...... پانی ڈبوتا نہیں ہے...... ہوا پر تخت اڑتا ہے...... دریا میں خشک راستہ فراہم ہوتا ہے...... مچھلی کے پیٹ انسان زندہ نکل آتا ہے...... بغیر باپ کے بیٹا پیدا ہوتا ہے...... اور عبد اپنے معبود کے پاس عرش پر جاکر لمحہ کے اندر واپس آجاتا ہے یہ فطرت کی مستثنیات ہیں یعنی یہاں ''امرالٰہی'' فعل الٰہی پر غالب ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ اپنے امر پر بھی غالب ہے یہی ''کن'' کی شرح یعنی ''فیکن'' ہے جس پر اللہ کی ذات غالب ہے غلطی وہیں ہوتی ہے جہاں ''امر'' افعال کے تابع سمجھا جاتا ہے یہی غلطی شیطان سے ہوئی اور بہت سے ''خردمند'' اور منطقی لوگ اسی غلطی کا شکار ہوکر گمراہ ہوجاتے ہیں کہ وہ ''اوامر اکو افعال'' سے مطابقت دیتے ہیں۔ یعنی امر کو فعل کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں اور معجزات وکرامات کے منکر ہوجاتے ہیں امر کو معمول کے پیمانے پر ناپنا شیطانیت اور موجب مردودیت ہے اسی ''امر'' سے انبیاء اور اولیاء کو جو حصہ دیا جاتا ہے اس سے ہی معجزے اور کرامات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور اسی امر والے کی اطاعت کا حکم اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ہے۔

وحدت و کثرت:

وحدت کے معنی ایک ہونے کے ہیں اور کثرت کے معنی ایک سے زیادہ ہونے کے ہیں وحدت خالق کے لیئے ہے اور کثرت مخلوق کے لیئے کہ اسے ''جوڑوں میں پیدا کیا گیا'' اللہ نے وحدت اپنے لیئے مخصوص کی اور کثرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ارشاد ہوا کہ ''ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا'' یعنی وحدت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ہے جب بندہ اللہ سے واصل ہوتا ہے تو کبھی وحدت میں کثرت کا اور کبھی کثرت میں وحدت کا گمان ہوتا ہے۔

وحدت کی شان یہ ہے کہ:

امتیازِ طالب و مطلوب مشکل ہو گیا
قطرہ دریا بن گیا دریا میں شامل ہو گیا

اور کثرت کی شان یہ ہے کہ:

کسی نے کہا عرش اعظم پہ ہے وہ
کسی نے مدینے کی گلیوں میں دیکھا

روزہ، نماز اور خدا:

ایک صاحب نے فرمایا کہ میں روزے نماز کو فرض نہیں مانتا اور خدا پر ایمان نہیں رکھتا۔ مگر بحمد اللہ پکا مسلمان ہوں اس لیئے کہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوں اور اللہ پر ایمان رکھتا ہوں۔ بات صاف ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاحات کو چھوڑ کر کسی دوسری زبان کی اصطلاحات کو عقیدے کی بنیاد نہیں بنانی چاہیئے۔

ہم اللہ کے بندے ہیں "خود آنے والے کا تصور درست نہیں ہے"۔

آپ "یا اللہ" ایک تسبیح پڑھیے ثواب ہوگا "او گاڈ" پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں جب فائق کا نام ہر زبان میں فائق ہے تو اللہ کا نام فارسی میں خدا کیوں؟ یہ برصغیر پر فارسی کے غلبہ کا نتیجہ ہے کہ نماز، روزہ، سی پارہ، گناہ، پاکی ناپاکی جیسے ہزاروں الفاظ رائج ہو گئے۔ اور ہم اصطلاحات کے ترجمہ میں کھو کر اصل کو بھول گئے۔ ہندوستان میں تو خدا حافظ عام تھا مگر تشکیلِ پاکستان کے بعد بحمد اللہ "اللہ حافظ" کہا جانے لگا۔ وہاں تو السّلام علیکم کی جگہ بھی آداب عرض تھا شاید یہ غیر مسلم اکثریت سے تخاطب کا انداز ہو۔ اسی طرح ہندوستان کا "بارہ وفات" بھی پاکستان میں "عید میلاد" ہوا ہے۔ بحمد اللہ

قرآن حکیم

یہ بات موجب راحت بھی ہے اور باعث تشویش بھی کہ ہم قرآنِ حکیم کو بغیر سمجھے ہوئے پڑھنے کے عادی ہو گئے ہیں، پڑھنے کے بعد جز دان میں بند کر کے بوسہ دے کر کسی اونچی جگہ پر رکھ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے ثواب حاصل کر لیا عربی سے ناواقف اہلِ ایمان کو اپنے اس رویّہ پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ شاعری کی حد تک تو یہ بات ٹھیک ہے کہ

مدتیں ہوگئیں پڑھ کر نہیں دیکھا اب تک
میں نے خط یار کا سینہ سے لگا رکھا ہے

قرآنِ حکیم دنیا کی زندگی سے آخرت بنانے کا کامیاب نسخہ ہے، اس سے استفادہ نہ کرنا بدبختی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مصنف کا سوانحی خاکہ

از

الحاج شمیم الدین سابق قائم مقام وزیر اعلیٰ، حکومت سندھ پاکستان

ڈاکٹر فائق بمقام بدایوں ۲۱؍ شعبان ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸؍ نومبر ۱۹۳۵ء پیدا ہوئے۔ نسبی تعلق بدایوں کے معروف عبدالرحمانی صدیقی خاندان سے ہے ان کے جد امجد شیخ حسام الدین عرب سے ایران آکر شہر شرواں میں رہائش پذیر ہوئے یہ صدیق اکبرؓ کے پندرہویں پوتے تھے انھیں خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنی تعلیمی اصلاحات کے زمانے میں ایک جیّد عالم ہونے کی حیثیت سے ہرات (افغانستان) کے معروف مدرسہ کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا۔ شرواں (ایران) میں قیام کے دوران ان کے بیٹے شیخ مطیع اللہ (جو شروانی کہلائے) پیدا ہوئے۔ یہ بڑے عبادت گزار اور سیاحت پسند تجارت پیشہ تھے جو یمن کی بادشاہت ترک کر کے فقیری اختیار کرنے والے بزرگ سید اعز الدین یمنیؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے جنھوں نے اپنے دورِ آخر میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنا خرقۂ خلافت شیخ مطیع اللہ شروانی کو عطا کیا۔ سید صاحب بدایوں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ شاہی سلطان جیؒ اور حضرت شاہ ولایتؒ کے والد بزرگوار

تھے۔ شیخ مطیع اللہؒ ان کے ہمراہ ۵۷۵ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کر کے ہرات کے راستے ہندوستان آئے پہلے لاہور میں اور پھر ملتان میں سکونت اختیار کی سید اعزالدینؒ ۶۰۴ھ میں ملتان سے بدایوں تشریف لائے اور ۶۰۵ھ میں وفات پائی آپ کا مزار شریف بدایوں میں سلطان جیؒ کی درگاہ میں قصر سلطانی کے اندر ہے ان کے خلیفہ شیخ مطیع اللہ شروانیؒ ۶۰۴ھ سے ۶۲۰ھ تک اولیائے ہند سے ملاقاتیں کرتے رہے آپ کی عرفیت ''شیخ مطا'' تھی جن کا نام حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے خلفاء کی فہرست میں سولہ (۱۶) نمبر پر درج ہے۔ آپ عصر کی سنتیں کبھی قضا نہ ہونے کی شرط کے تحت ۶۲۰ھ میں شیخ عبداللہ مکیؒ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیئے بدایوں پہنچے اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ خچر پر سیاحت کرنے کے سبب اہل بدایوں نے ان کی عرفیت ''شیخ مطا'' میں ''خرسوار'' کا اضافہ کر دیا اور بدایوں میں آپ کی اولاد خرسوار کہلائی اسی خاندان میں ۱۹۰۱ء میں ان کے بارہویں پوتے اور صدیق اکبرؓ کے اٹھائیسویں (۲۸) پوتے مولوی محمد علی عباس پیدا ہوئے جو پروفیسر فائق صاحب کے والد بزرگوار تھے یہ ۲۶ راپریل ۱۹۵۲ء کو بدایوں سے روانہ ہو کر ۲، مئی ۱۹۵۲ء کھوکھراپار کے راستہ کراچی پہنچے اور ۱۹۷۴ء میں وصال فرمایا۔ پروفیسر فائق صاحب بھی اپنے والدین اور برادر خورد محمد شائق اور چار بہنوں کے ہمراہ کراچی آئے ان کے برادر خورد محمّد اشفاق کی ولادت کراچی میں ہوئی۔

پروفیسر فائق صاحب ۱۹۵۲ء میں میٹرک کا امتحان دے کر کراچی آ گئے۔ انھوں نے الہ آباد بورڈ سے ۱۹۵۲ء میں میٹرک، اردو کالج کراچی

سے ۱۹۵۴ء میں انٹر جامعۂ کراچی سے ۱۹۵۸ء میں بی۔اے (آنرز) نفسیات اور ۱۹۵۹ء میں ایم۔اے۔نفسیات پاس کیا ۱۹۵۹ء میں اردو کالج میں لیکچرار ۱۹۶۸ء میں اسسٹنٹ پروفیسر ۱۹۷۷ء میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ۱۹۷۸ء میں پروفیسر ہوئے۔۱۲ر فروری ۱۹۹۷ء کو اپنی کاغذی عمر ساٹھ سال پورے ہونے پر گریڈ بیس (۲۰) کی آخری حد پر بحیثیت پروفیسر ریٹائر ہوئے۔

اپنے ۳۹ سالہ تعلیمی کیریر میں وہ نو سال لیکچرر۔نو سال اسسٹنٹ پروفیسر۔ایک سال ایسوسی ایٹ پروفیسر اور بیس سال پروفیسری کے عہدے پر رہے۔ان حیثیتوں کے علاوہ ۹ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کے مراسلے کے مطابق انہیں شعبۂ نفسیات جامعۂ کراچی میں معاون لیکچرر مقرر کیا گیا یہ ان کی اضافی ذمہ داری تھی نیز بحوالہ مراسلہ مورخہ ۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۳ء انہیں جامعۂ کراچی کی مجلس وضع اصطلاحات نفسیات کا معتمد رکن مقرر کیا گیا اس حیثیت میں انہوں نے نفسیات کی اردو اصطلاح سازی کی نمایاں خدمات انجام دیں۔یکم ستمبر ۱۹۷۲ء کو کالج حکومت سندھ کی تحویل میں چلا گیا اس روز آپ کو شعبۂ نفسیات کا صدر مقرر کیا گیا۔یکم ستمبر ۱۹۸۲ء آپ کا تقرر بحیثیت صدر کلیۂ فنون کیا گیا ۱۹۸۴ء میں ڈی۔ایچ۔ایم۔ایس کا امتحان پاس کرنے اور نیشنل کونسل برائے ہومیو پیتھی سے ہومیو پریکٹس کا اجازت نامہ ملنے پر وفاقی حکومت نے بھی ملازمت کے دوران ۲۳ر اگست ۱۹۸۴ء کے مراسلہ کی رو سے پریکٹس کی خصوصی اجازت عطا کی ۲۳ر جولائی ۱۹۸۴ء جامعہ کراچی کے مراسلے کی رو سے آپ کو نفسیات کے سلیکشن بورڈ کا ماہر مضمون

مقرر کیا گیا۔ ۳۱ راگست ۱۹۸۵ء کے مراسلہ کے مطابق آپ کو کالج کی مجلس دوم (پوسٹ گریجوایشن) کا وائس پرنسپل مقرر کیا گیا اور ساتھ ہی شعبۂ ایجوکیشن پوسٹ گریجوایشن کی صدارت بھی آپ کو تفویض ہوئی۔ ۲۰ رجولائی ۱۹۸۸ء جامعۂ کراچی کے سلیکشن بورڈ میں نفسیات کے ماہر مضمون کی حیثیت سے دوبارہ اعزاز عطا کیا گیا ۱۹۸۸ء میں آپ جامعۂ کراچی کے شعبۂ ایجوکیشن کے سلیکشن بورڈ کے بھی رکن اور ماہر مضمون رہے۔ نفسیات اور ایجوکیشن کے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے کے بارہا صدر ممتحن رہنے کے علاوہ آپ کو شعبۂ ایجوکیشن جامعۂ کراچی کے تحقیقی مقالوں کا بیرونی ممتحن ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ اردو کالج کے ایم۔ اے ایجوکیشن کے ۱۰۰ سے زائد تحقیقی مقالات کی تیاری اور مرکز تحقیق کے نگراں کا اعزاز بھی آپ کے پاس رہا۔ اس سے قبل اردو کالج کے شعبۂ تصنیف و تالیف کی نگرانی بھی آپ کے پاس رہی۔ آپ کے ریٹائرمنٹ کے وقت انجمن اساتذۂ اردو کالج نے آپ کی بہترین کارکردگی اور اعلیٰ خدمات کے اعتراف میں آپ کو ایک خصوصی شیلڈ بھی عطا کی۔

ایسی ہی ایک بین الکلیاتی شیلڈ آپ کو ہومیو پیتھک میٹریا میڈیکا کی اعلیٰ ترین کارکردگی پر سینٹرل ہومیو کالج نے بھی پیش کی تھی۔ نیز اردو کالج کی جوبلی کے موقع پر آپ کو تمغۂ ''ہلال اردو'' سے بھی نوازا گیا تھا۔ آخر چند دن قائم مقام پرنسپل بھی رہے مگر پرنسپلی سے مزاج کی مطابقت نہ ہونے کے سبب مراسلہ مورخہ ۳۱ رجنوری ۱۹۹۶ء کی رو سے ایک سال کی ایل پی آر پر چلے گئے۔

اوپر بیان کردہ اعلیٰ تعلیمی خدمات کے علاوہ دیگر شعبہ جات میں بھی آپ کی کارکردگی قابل رشک حد تک قابل بیان ہے۔ آپ کو شعر و ادب کا شوق اور زباندانی کا ورثہ اپنے والد بزرگوار اور خاندان سے ملا تھا۔ عہد طالب علمی میں جب آپ کی عمر چودہ پندرہ سال تھی انہیں ہزار ہا شعر یاد تھے اور وہ بیت بازی کے چیمپئن تھے۔ میر انیس۔ علامہ اقبال حفیظ جالندھری، جوش ملیح آبادی، میرؔ، غالبؔ، داغؔ۔ امیر مینائیؔ اصغرؔ، فانیؔ، حسرتؔ اور جگرؔ کے کلام کے اکثر حصے ازبر تھے۔

تقریباً سولہ سال کی عمر میں پہلا قطع یہ کہا تھا۔

لالۂ و گل کی تازگی تم ہو
ماہ و انجم کی روشنی تم ہو
ایک بے کس کی زندگی کی قسم
ایک بے کس کی زندگی تم ہو

ان کی شاعرانہ حیثیت کے لیئے میری رائے یہ ہے کہ وہ کم کہتے تھے۔ پختہ کہتے تھے۔ زبان کا شعور عمدہ تھا۔ شاعری میں کسی کی شاگردی نہیں کی غزل۔ نظم، قطعات، تہنیتیں۔ تبریکیں اور تاریخیں عمدہ کہنے کے باوجود شاعری میں کوئی نمایاں رنگ نہیں تھا مگر طنزیہ کلام بہت اعلیٰ درجہ کا اور منفرد ہے۔ تضمین کرنے میں ملکہ رکھتے ہیں مگر خود کو شاعر کہلوانا کبھی پسند نہیں کیا۔ قادریہ سلسلہ میں داخل ہونے کے بعد عام شاعری چھوڑ دی۔ حمد و نعت و مناقب سے شغف رہا۔

پروفیسر صاحب اس وقت زندگی کی آٹھویں دہائی سے گزر رہے ہیں اور بھرپور فعال علمی وسماجی زندگی گزارنے کے بعد گزشتہ دس سال سے گوشہ گیر ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

مرے مولا مری خلوت نشینی
برنگِ خاصۂ خاصان کردے

پروفیسر فائق صاحب کی شادی ۱۹۶۶ء میں پانی پت کے نواب زادگان کے انصاری خاندان میں ہوئی ان کی بیگم ان کی شاگردہ بھی رہی ہیں ان کے بڑے بیٹے محمد اویس صدیقی قادری اپنی بیوی رومانہ اور بیٹیوں ''مرسلہ اور ہنیہ'' کے ہمراہ نیوجرسی امریکہ میں مقیم ہیں تجارت پیشہ ہیں قادریت کے پرتو میں مذہب پسند شخصیت ہیں...... دوسرے بیٹے محمد بلال صدیقی قادری اپنی بیگم ''مہ وش اور بیٹے محمد شکیب'' کے ساتھ ''ایریزونا امریکہ'' میں آئی ٹی کے پیشہ سے وابستہ'' موٹارولا کمپنی'' میں برسرروزگار ہیں۔ تیسرے چھوٹے بیٹے محمد زید صدیقی قادری نے بھی۔ ایم۔ سی۔ ایس کیا ہے اور دوبئ کی ایک کمپنی میں آئی۔ ٹی سپروائزر ہیں اسی کمپنی میں پروفیسر فائق کے چھوٹے بھائی اور اپنے عہد طالب علمی کے ایک نامور مقرر اور فی زمانہ ''لوجسٹکس'' کے ماہر محمد شائق اس کمپنی کے جنرل منیجر ہیں ان کے چھوٹے بھائی محمد اشفاق جدہ میں برسرروزگار ہیں جن کی بیگم ڈاکٹر ہیں اور بچے لندن میں زیر تعلیم ہیں فائق صاحب کے دو بیٹیاں عروسہ فائق اور عافیہ فراز ہیں عروسہ کے دو بیٹیاں دانیہ اور انجلا ہیں۔ عافیہ کے شوہر فراز احمر ایک ماہر فزیوتھیراپسٹ ہیں ان کے تین بیٹے معاذ۔ حماد اور سارم ہیں۔

پروفیسر فائق صاحب اپنے حال اور ماضی دونوں سے مطمئن ہیں وہ کہتے ہیں میرے گھر کا بوجھ میرے بیٹوں نے سنبھلا ہوا ہے بیوی خانہ داری اور رشتے نبھانے میں ماہر ہیں۔ میں جملہ مسائل سے آزاد ہوں اب میرا نہ کوئی منصوبہ ہے نہ آرزو۔ پیسہ میرے لیئے کنکر پتھر ہے۔ نہ زندگی سے بیزاری ہے نہ موت کا خوف۔ میرے قادری سلسلے اور میرے شیخ طریقت ابا جی کا فیض ہے کہ ابھی تک

''میرا آخر اوّل سے بہتر ہے''

(الحاج شمیم الدین سابق قائم مقام وزیر اعلیٰ)
حکومت سندھ پاکستان

تھکی ہے فکر رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیئے

ہدایت ہے

- ان کے لیئے جو اللہ کے عذاب اور ناراضگی کے خوف سے برائیوں سے دور رہتے ہیں۔
- بغیر دیکھے پر ایمان رکھتے ہیں۔
- صلوٰۃ کے پابند ہیں۔
- اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں
- سرکارؐ اور دیگر انبیاء پر جو نازل ہوا اس پر ایمان لاتے ہیں
- اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں

کھلے راز

- گمراہی سے نکل کر حق پر آنے کے لیئے کہیے

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـهِ

- راہ راست پر آ کر شیطان سے بچنے کے لیئے کہیے

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

- اور شیطان کے فریب میں آ کر غلطی ہو جائے تو کہیے

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

- اور مغفرت طلبی کے بعد پڑھیے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ

ابّا جیؒ کے عرس شریف کی بدلتی ہوئی تاریخیں اور وقت

حضرت ابّا جیؒ کی تاریخ وصال ۲۲/ذی العقد ہے اور آپ کی تدفین دوسرے دن ۲۳/ذی القعد کو ہوئی تھی

- آپ کا عرس شریف ۱۹۷۰ء تک متفقہ طور پر ۲۳/ذی القعد کو ہوتا رہا جس میں گیارہ بجے دن چادر، ہار چڑھا کر ختم شریف پڑھا جاتا تھا۔ پھر لنگر ہوتا تھا
- ۱۹۷۰ء میں ذی القعد میں شدید سردی پڑ رہی تھی اور ۲۲، ۲۳ کی درمیانی شب بمع اعلیٰ حضرت بہت سے غلام قبرستان میں ہی رات گزارتے تھے کہ ساری رات بکروں کے ذبح ہونے اور بریانی کی دیگیں تیار ہونے کی مصروفیت رہتی تھی۔ سالِ متذکرہ میں سردی کی شدت سے بہت پریشانی ہوئی چنانچہ اعلیٰ حضرتؒ نے جو عرس شریف کے مہتمم خاص ہوتے تھے اعلان کر دیا کہ آئندہ سے عرس شریف انگریزی تاریخِ تدفین یعنی ۶/اپریل کو ہوا کرے گا۔
- ماں جیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد ۱۹۷۴ء تک عرس شریف ۶/اپریل کو ہی ہوتا رہا۔
- ۱۹۷۴ء سے سید شبیر علی قادری صاحبؒ کے حلقہ اثر والوں نے ۲۳/ذی القعد کو علیحدہ عرس شریف کا انتظام شروع کیا جس میں قادر بھائی جان ہی ختم شریف پڑھتے تھے۔
- سید باسط علی جعفریؒ نے جب راقم کے پیر کالونی والے مکان کو

''ابا جیؒ کا گھر'' ڈکلیئر کر کے عرس کے موقع پر ختم شریف ۲۲رذی القعد کو پڑھنا شروع کیا اور فرمایا کہ جیسے ابا جی نے گیارہویں شریف کا ختم دس تاریخ کو شروع کیا تھا اسی طرح یہاں ابا جیؒ کے عرس شریف کا ختم ۲۲رذی القعد کو ہوا کرے گا۔

❁ سید باسط علی جعفریؒ نے ۲۳رذی القعد کو تاریخِ تدفین کے بجائے تاریخ وصال یعنی ۲۲رذی القعد مطابق ۵راپریل کے حساب سے جو عرس کا ختم شریف پڑھنا شروع کیا تو نامعلوم اسباب کی بنیاد پر ابا جیؒ کا عرس شریف بھی ۶راپریل کے بجائے ۵راپریل کو ہی ہونے لگا اور ۲۳رذی القعد والے عرس چادر چڑھانے کا وقت بعد عصر مقرر ہو گیا۔

مندرجہ بالا حقائق میں نے پورے احساس ذمہ داری کی ساتھ اپنی بہترین معلومات کے مطابق تحریر کیئے ہیں کہ یہ پچاس سال میں ہونے والے وہ تغیرات ہیں جن کا گواہ راقم کے علاوہ شاید اب کوئی اور نہیں ہے یہ حقائق محض حافظہ کی بنیاد پر ہی نہیں بلکہ ضبط تحریر میں بھی موجود ہیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی بدایونی)

خدا حافظ

بحمد اللہ میں نے یہ اشارہ غیب سے پایا
اجازت دو مجھے اے ساتھیو! وقت سفر آیا

متاع قلب و جاں ہیں جان سے بھی مجھ کو پیارے ہیں
یہاں رہ کر تمہارے ساتھ جو لمحے گزارے ہیں

بہت ممنون ہوں تم سب کی حد درجہ عنایت کا
نوازش کا، کرم کا، مہربانی کا، محبت کا۔۔۔!

ادا میں حق نہیں کر پایا، تم سب کی وفاؤں کا
مگر پہلے بھی تھا، اور اب بھی طالب ہوں، دعاؤں کا

خدائے پاک ہم سب پر کرم اپنا سو رکھے
کہ زیرِ سایۂ دامانِ محبوبؐ خدا رکھے

وجود باطنی میرا خبر یہ لے کے آیا ہے
میرے آقا، مرے مالک، مرے رب، نے بلایا ہے

مری ہستی کو حکم رب سے اب پہلو بدلنا ہے
کہ اس ''دارِ محن'' سے مجھ کو اب باہر نکلنا ہے

بشارت ہے جزاء کی گرچہ دامن میرا خالی ہے
یہ میری آزمائش اب مکمل ہونے والی ہے

یہاں سے مجھ کو اٹھنا ہے، وہاں اب مجھ کو جانا ہے
مرے اللہ نے جس کو کہا ''اچھا ٹھکانا ہے''

نہایت مطمئن ہوں کچھ نہیں مجھ کو پریشانی
بہ فیضِ رحمتِ عالمؐ بہ لطفِ غوثِ صمدانیؒ

بنائیں گے وہی آساں مری منزل رسائی کو
کہ میرے اباجیؒ کافی ہیں میری رہنمائی کو

مرا اک دوستؒ جس نے راز ہستی مجھ کو سمجھایا
بڑی ہی مہربانی کی، بڑا احسان فرمایا

وہ مردِ حق، فقیر بے بدل، جو ''صاحب دل'' تھا
بظاہر عام انساں تھا، بہ باطن مرد کامل تھا

رموز باطنی سے جس نے مُحرم مجھ کو فرمایا
بنا کر ''جزوِ ذاتِ خود'' مکرّم مجھ کو فرمایا

جدائی اس کی اب پھر وقفِ قربت ہونے والی ہے
رہے گا ساتھ پیہم پھر وہ صورت ہونے والی ہے

نہ رستے کا کوئی غم ہے نہ منزل کا کوئی ڈر ہے
وہاں جو میرا گھر ہے وہ یہاں کے گھر سے بہتر ہے

یہاں میں نے بنام حق اذیت جو اٹھائی ہے
وہی ہے میرا سرمایہ، وہی میری کمائی ہے

عطا سرکارؒ کی لیکن جو ہے وہ سب سے بڑھ کر ہے
خیالوں سے زیادہ ہے وہ اندازے سے باہر ہے

انہی کے لطف و فیضان و کرم نے روشنی دی ہے
غلامی دی ہے، توفیقِ رضا و بندگی دی ہے

سلیقہ مجھ میں کب تھا اس رہِ عرفاں کے سالک کا
مگر سرکارؒ نے شاکر بنایا مجھ کو مالک کا

مدد سرکارؒ کی حاصل رہی ہے مجھ کو جینے میں
خدا کا خوف بھی پیہم رہا ہے میرے سینے میں

کیئے ہیں میرے رب نے مجھ پہ ہر ہر طرح کے احساں
رہا ہے اس کی رحمت پر مجھے بھی ناز بے پایاں

جو ناممکن نظارے تھے مجھے وہ بھی دکھائے ہیں
مرے مولا نے، میرے ناز بھی اکثر اٹھائے ہیں

وہی اب میرا حافظ ہے وہی ہے آپ کا حافظ
خدا حافظ، خدا حافظ، خدا حافظ، خدا حافظ،

یہ دن بھی نہیں ہونگے نہ یہ رات رہے گی
باقی فقط اللہ کی اک ذات رہے گی

پروفیسر ڈاکٹر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

رابطہ برائے فراہمی

مغربی ممالک

- محمد اویس صدیقی قادری
  001-7323092025 (امریکہ)
- محمد بلال صدیقی قادری
  001-6023157433 (امریکہ)
- محمد شکیب صدیقی قادری

مشرقی ممالک

- محمد شائق صدیقی قادری
  0321-2025151 (کراچی)
- محمد زید صدیقی قادری
  009715584425 (دوبئی)
- محمد قاسم صدیقی قادری (دوبئی)

رابطہ برائے معلومات

سید شعیب افتخار مسعودی

جیلانی پرنٹ انٹر پرائز

0306-2559082 (کراچی)

موجودہ سربراہ سلسلہ

سیّدی حضرت چودھری غلام ربّانی قادری مدظلہ العالی